نوازش نامے

مرتبہ

سید انیس شاہ جیلانی

سول ایجنٹ: مکتبہ ماحول بہادر شاہ مارکیٹ، کراچی

ذخیرہ کتب:۔ محمد احمد ترازی کراچی

نوازش نامے

مرتبہ

سید انیس شاہ جیلانی

سول ایجنٹ: مکتبہ ماحول بہادر شاہ مارکیٹ۔ کراچی

ذخیرہ کتب:- محمد احمد ترازی کراچی

● جملہ حقوق محفوظ

● ناشر: حیرت شملوی اکادمی
● طابع: جاوید پریس کراچی
● سلسلہ مطبوعات نمبر ۱

یکے از مطبوعات حیرت شملوی اکادمی محمد آباد مغربی پاکستان

● اشاعت اول ۱۹۶۹ء
● تعداد ایک ہزار
● قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے

پیش لفظ

میں نے ان مکاتیب کے ساتھ ساتھ اپنے تاثرات بھی لکھ ڈالے ممکن ہے بعض "سنجیدہ" طبائع پر یہ ناگوار گذریں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جو لکھا گیا وہ نہ صرف یہ کہ حقیقت ہے بلکہ ناقابلِ تردید جسے جیسا پایا ویسا ظاہر کر دیا، نمک مرچ سے قطعاً کام نہیں لیا گیا، میں تصویر کے دونوں رُخ دیکھنا پسند کرتا ہوں، اگر اس مجموعہ میں مجھے مجید اور مولانا آزاد کے صرف ایک ہی رخ پر ہلکی سی بحث کرنا پڑی کیونکہ دوسرا رُخ اس کثرت سے پیش کیا گیا ہے کہ مولانا آزاد کسی طرح درجہ ولایت سے اترتے ہی نہیں حالانکہ ع

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا

سید انیس شاہ جیلانی

انتساب

دنیائے ادب میں اپنے امام والد محترم سید مبارک شاہ صاحب جیلانی مدظلہ العالی کی خدمت میں یہ مجموعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ترتیب

عبدالمجید سالک	۷
ہاشمی فریدآبادی	۲۵
محمد امین زبیری	۵۷
مجید لاہوری	۶۵
حامد حسن قادری	۷۳
نوح ناروی	۸۳

عبدالمجید سالک

ریڈیو پاکستان کے پچھواڑے جب ایک تنگ سا زینہ طے کر کے میں اوپر پہنچا تو بیٹھک میں ایک سنجیدہ اور پُر وقار شخصیت کی طرف اشارہ کر کے مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ یہی عبدالمجید سالک ہیں (مولانا کا اضافہ اس لئے نہیں کرتا کہ آجکل مولانا یا مولوی یا تو طنزاً بولا جاتا ہے یا صرف داڑھی والوں کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ سالک داڑھی نہیں رکھتے تھے) مرحوم نیم دراز کچھ لکھ رہے تھے، میں نے چُپ چاپ اپنی "آٹوگراف البم" ان کی طرف بڑھا دی، مسکراتے ہوئے میرے ہاتھ سے لے لی گئی، کچھ یاد نہیں پڑتا مجھ سے کچھ پوچھا بھی گیا تھا یا نہیں، جب سیڑھیاں اُتر کر البم پر نظر دوڑائی تو سابقہ، فارسی اشعار سے پڑا اور یہاں بس معمولی شُد بُد، تاہم نفسِ مضمون کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا گیا۔ جی چاہتا ہے ان اشعار کی لذت میں آپ کو بھی شریک کروں ؎

عالم سیاہ مست ز چشم سیاہ کیست — دلہا اسیر دام فریب نگاہ کیست
سالک ز دیں ملاف و بے ریا بگو — ذکر بتاں وظیفۂ شام و پگاہ کیست

کراچی ۲ مئی ۱۹۵۳ء ۔ عبدالمجید سالک

اس خاموش اور پُراسرار سی ملاقات کے بعد میری ان سے دوسری اور آخری ملاقات بالکل اسی نوعیت کی تین سال بعد لاہور میں ہوئی بڑے شہروں میں سائیکل کی گھنٹی کا مصرف میری سمجھ میں کبھی نہیں آیا تھا لیکن اس کی افادیت کا بالآخر قائل ہو ہی جانا پڑا مسلم ٹاؤن کی خاموش اور پُرسکون فضا میں جب سالک صاحب کے بنگلہ کی "پورچ" میں کھڑے ہو کر میں نے گھنٹی بجائی تو فوراً ایک گمبھیر آواز آئی "آجایئے" یہ سالک صاحب تھے ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر براجے تھے قلم اور کاغذ در دست، میری ان سے یہ ملاقات بھی "تحریری" ہی رہی یعنی ہم نے باتیں نہیں کیں لیکن "البم" میں انھوں نے اپنی زندگی سے بیزاری اور متوقع موت کا اظہار کر دیا، لکھتے ہیں

"زندگی کی شاہ راہ آفتابِ حوادث کی تمازت سے تپ رہی ہے، اے موت کی سایہ دار سرزمیں! تو کہاں ہے کہ راہِ حیات کے تھکے ہوئے مسافر تیری ٹھنڈی چھاؤں میں آرام پا سکیں :

اے اجل جلد کرم کر کہ تری فرقت میں
مجھ پہ جو لمحہ بھی گزرا ہے گراں گزرا ہے

مسلم ٹاؤن لاہور
عبدالمجید سالک
یکم جنوری ۱۹۵۶ء

نئے سال کی آمد پر (عیسوی ہی سہی) یہ پیغام بڑا پُر معنی تھا میں نے بظاہر انھیں بڑا آسودہ حال پایا لیکن بباطن ان پر جو کچھ گذر رہی تھی اس کا

اندازہ مندرجہ بالا تحریر سے ہو سکتا ہے، سچ پوچھئے تو مجھے ان پر پیار کے ساتھ ساتھ ترس بھی آیا، جی چاہا ان کا غم میرے حصّہ میں آجائے لیکن ایک تو میری اور ان کی عمر کا تفاوت، دوسرے میں اجنبی تس پہ گمنام گوشہ نشیں، وہ مجھ سے کھلتے بھی تو کیونکر، جس کے قلم اور زبان سے پھول جھڑتے تھے جسکی شگفتہ بیانی کی دھوم مچی ہوئی تھی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ضرب المثل بنی ہوئی تھی، اس کی یہ کیفیت! جی کٹ کر رہ گیا، میں تو اسے شاعرانہ لن ترانی سے تعبیر نہیں کر سکتا،

انہی دنوں سالک صاحب کی "یارانِ کہن" بھی منظرِ عام پر آ چکی تھی مولانا گرامی کے بیان میں لکھتے ہیں ۔

"ڈاکٹر صاحب (اقبال) علی بخش کو جالندھر بھیج دیتے کہ مولانا گرامی کو لِوا لائے" (صفحہ ۱۴۲)

لِوا لائے ۔ یعنی ساتھ لے آئے یا بُلا لائے

[redacted] مجھے کچھ جچا نہیں جس کا اظہار براہِ راست مرحوم سے کر دیا گیا، جواب آیا ۔

مسلم ٹاؤن، لاہور
۲ر فروری ۱۹۵۶ء

جنابِ من ۔ سلام شوق

آپ کا گرامی نامہ ملا "ان کو لِوا لائے" خالص ٹکسالی اردو محاورہ ہے ۔

"اُن کو ساتھ لے آئے" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے

آپ اردو کی زیادہ کتابیں پڑھیں گے تو آپ کو خود بخود اس
محاورے کی صحت معلوم ہو جائے گی۔ مزید اطمینان کیلئے کسی
دہلی والے سے پوچھ لیجئے، اُمید ہے کہ میری گذارش کے بعد
آپ کا اطمینان ہو جائے گا۔

سالک

زیادہ کتابیں پڑھنے اور متعدد دلّی والوں (مشاہیرِ پاک و ہند) سے پوچھنے کے باوجود مطمئن نہ ہو سکا، اکثریت نے اُسے غلط تو نہیں غیر فصیح قرار دیا، انہی کا ہم زبان میں بھی ہوں گو سند مجھے شبلی کے یہاں سے بھی مل گئی "ہاں بھی جاتا ہوں شرط یہ ہے کہ خود گاڑی تک آکر لیوا جائیں" (مکتوب بنام مہدی) خیر میں تو ادبی ذوق کا مارا زبان دانی کے چکر میں رہا، ادھر اس مجموعہ میں "محافظانِ اسلام" کی دلبستگی کا سامان بھی نکل آیا ان کے ہتھے یہ عبارت چڑھ گئی۔

"جس زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد ابھی بے ریش و بروت انسان تھے اور نو عمری کے باوجود علم و فضل اور لسانی وطراری کے اعتبار سے اپنے ہمسروں اور ہمعصروں سے کوسوں آگے تھے بمبئی میں آغا حشر، ابو نصر آہ اور نظر حسن سخا کے ساتھ عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کیا کرتے تھے اور اپنے اہتمام سے ایک ماہانہ رسالہ "بلاغ" بھی نکالتے تھے۔ مناظروں کے سلسلے میں انہیں مرزا غلام احمد قادیانی

کی بعض ایسی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا جن میں عیسائیوں اور آریوں کے مقابلے میں اسلام کی حمایت کی گئی تھی، یاروں کا یہ مجمع ایک دفعہ تو فیصلہ ہی کر چکا تھا کہ پنجاب جائیں اور مرزا صاحب سے ملیں لیکن اتفاقات زمانہ کی وجہ سے یہ فیصلہ عمل میں نہ آسکا بہر حال مولانا ابوالکلام، مرزا صاحب کے دعوائے مسیحیت موعود سے تو کوئی سروکار نہ رکھتے تھے لیکن ان کی غیرت اسلامی اور اور حمیتِ دینی کے قدر دان ضرور تھے یہی وجہ ہے کہ جن دنوں مولانا امرتسر کے اخبار "وکیل" کی اِدارت پر مامور تھے اور مرزا صاحب کا انتقال انہی دنوں ہوا تو مولانا نے مرزا صاحب کی حمایت اسلامی پر ایک شاندار شذرہ لکھا، امرتسر سے لاہور آئے اور یہاں سے مرزا صاحب کے جنازے کے ساتھ بٹالہ تک گئے۔

بس پھر کیا تھا" اہل سنت کا نقیب و داعی" سہ روزہ "دعوت لاہور" اسے لے اڑا اور اپنی ۳۱ جنوری ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں "مسٹر عبدالمجید سالک کی بہتان طرازیاں" عنوان باندھا اور لکھا۔" ادارہ چٹان لاہور کے زیر اہتمام "یارانِ کہن" کے نام پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے جسے ملک کے نامور ادیب مسٹر عبدالمجید سالک کے مطالعہ و مشاہدہ کی دل آویز روداد قرار دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا ابوالکلام آزاد سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ مولانا ابوالکلام نے مرزا غلام احمد قادیانی میں نہ صرف غیرت اسلام

کی جھلک پائی ہے بلکہ آپ لاہور سے بٹالہ تک مرزا صاحب کے جنازے کے ساتھ گئے، اس کا پسِ منظر کیا ہے" دعوت نے آئندہ شمارے میں تبصرہ ملاحظہ فرمائیے: اور آئندہ شمارے میں پسِ منظر یہ پیش کیا گیا کہ "سالک چونکہ خود بھی مرزائی ہیں اس لئے اس کی تبلیغ بھی کمال ہوشیاری سے کرتے رہتے ہیں، وکیل کا شذرہ مولانا کے قلم سے نہیں تھا، بٹالہ نہیں گئے، شورش سے التجائیں (الجھے اس ڈر سے نہیں کہ جواب ترکی بہ ترکی ملتا یہ بھی تو اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کے لئے "چٹان" باقاعدگی سے شائع کر رہے ہیں) کہ یہ صفحات ہی کتاب میں سے اُڑا دو، لہجہ سوقیانہ اور عامیانہ، غالباً "دعوت کی تحریک پر مولانا آزاد کے سکریٹری اجمل خاں کا ایک تردیدی "چٹھا" بھی آگیا اور "چٹان" میں شائع بھی ہوگیا' اِدھر سالک نے بھی ازراہِ مروت و رفع شر اپنے لکھے پر اصرار نہ ہونے کا اقرار نامہ چھپوا دیا، یاروں نے بزعم خود میدان مار لیا تھا لیکن سنجیدہ طبقہ سالک اور واقعات کو بخوبی جانتا تھا،

دعوت کے متذکرہ شمارے مجھے ایک "دعوتی عزیز" کے یہاں نظر آئے اور میں نے سب کچھ نقل کر کے سالک کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس طرح یہ خطوط جو آئندہ صفحات میں پیش کئے جا رہے ہیں وقتاً فوقتاً میرے نام آئے۔ سالک صاحب نے اپنی صفائی میں جو کچھ کہا ہے وہ تو آپ ان خطوط میں دیکھ ہی لیں گے، مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ جب شورش جیسا غالی ابوالکلامی پوری ذمہ داری کے ساتھ ناشر کے فرائض انجام

دے تو اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ جو کچھ سالک کے قلم سے نکلا وہ حقائق کی واضح اور صحیح تصویر ہے، دوسرے مولانا ابوالکلام تو خیر ابوالکلام ہی تھے غلطیاں فرشتوں سے بھی ہو جاتی ہیں، عزازیل کی مثال سب کے سامنے ہے' اور مولانا قادیانیوں کے باب میں تو آخر وقت تک رواداری ہی برتتے رہے ہاں دکھاوے کیلئے تردید بھی کر دی، مولانا آزاد ہی پر کیا منحصر ہے برِ صغیر کے سنجیدہ علماء مرزائیوں کو فرقہ مسلمانوں ہی کا تسلیم کرتے ہیں لیکن برملا یہی کہتے ہیں کہ بلا شبہ یہ لوگ عظیم گمراہی میں مبتلا ہیں، رہا مرزا صاحب کا دعوائے مسیحت تو اسے مجذوب کی بڑ ہی سمجھنا چاہیئے' اور یہ بات بھی تو مولانا کے ایامِ شباب کی ہو رہی ہے یہاں تک کہ "بے ریش و بے بروت انسان" کی، واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے محبوب مشاہیر کے فرضی بت بنا کر پوجا پاٹ شروع کر دیتے ہیں اب جہاں کسی نے نشاندہی کی گردن زدنی قرار پایا اور مولانا آزاد کے عقیدت کیش تو ایک قدم آگے چلے گئے ہیں یہاں تک کہ خدا اور رسول کے بعد یا ابوالکلام کے نعرے لگاتے ہیں' ان کے ایک عقیدت مند کے بارے میں اسمعیل ندوی لکھتے ہیں" وہ خدا اور رسول کے بعد مولانا آزاد ہی کی شخصیت کو مثالی شخصیت مانتے تھے" (صدق جدید ۲۶ فروری ۱۹۶۵ء ص ۱) یہ نہیں سوچا جاتا کہ ابوالکلام یا کوئی اور ہماری طرح کا انسان ہے، بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، سب سے دو چار ہوتا ہے' اور شباب تو ایسا دور ہے کہ جس میں بہت کچھ سوچا جاتا ہے اور سب کچھ روا بھی سمجھا جاتا ہے، حلقۂ پرستارانِ ابوالکلام میں ہیجان پیدا ہوگا، اگر میں یہ کہوں کہ تقسیم ملک کے بعد

مولانا ایک چلتی پھرتی لاش سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے، خدا لگتی کہئے۔ اس نام کے وزیر تعلیم نے ہندوستان کی تعلیمی تنظیم میں کیا نمایاں کردار ادا کیا؟ سرکاری سطح پر اردو کے لئے کچھ کر سکے؟ مسلمان بچوں کے لئے ابتدائی اسلامی تعلیم کے لئے کیا کیا؟ سیاسی میدان کو چھوڑیئے کہ آزادی کے بعد وہ مرہونِ منت تھا پنڈت نہرو کا، مذہبی میدان بھی وہ آزادی سے پہلے چھوڑ چکے تھے، "دس گیارہ" سالہ وزارتی اور پرسکون زندگی میں وہ تفسیر مکمل نہ کر سکے (بعض حلقوں سے یسین گاندھوی تفسیر کا بھی چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا بڑے آزادخیال واقع ہوئے تھے یہاں تک کہ طبع اوّل کے بعض نسخوں میں فرعون کی تصویریں بھی تحریکِ اشاعت کرا دیں) ادبی میدان میں "غبارِ خاطر" کے بعد ان کے قلم سے کچھ نکلا؟ ماتم تو یہی ہے کہ ایسا صاحبِ دماغ مسلمانوں کیلئے اگر کچھ کر سکا تو یہی کہ پاکستان کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرانے میں کامیاب ہوگیا اور لال قلعہ پر ترنگا لہرا کر تالیاں پیٹتا رہا۔ کاش ہمارا یہ اچھوتا مسلمان ہندوؤں کے جھانسے میں نہ آیا ہوتا۔

آیئے اب آپ مکاتیب سالک سے لطف اندوز ہوجیئے۔

مسلم ٹاؤن لاہور

۹ فروری ۱۹۵۶ء

مکرمی۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط ملا، آپ نے "دعوت" کے مضمون کو نقل کر کے بھیجنے میں جو زحمت فرمائی۔ اس کے لئے سراپا سپاس ہوں، اب مختصراً چند معروضات پیش کرتا ہوں۔

۱۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل حقیقت ہے وکفیٰ باللہ شہیدا

۲۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے بارہا لوگوں نے استفتا کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ مرزا قادیانی کو کافر قرار دیں۔ لیکن انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ "مرزا صاحب کافر نہیں۔ مؤوّل ضرور ہیں۔ اور مؤوّل کو گمراہ کہا جا سکتا ہے۔ کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۳۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا ابوالکلام جب اخبار وکیل کے مدیر تھے اور زیادہ سے زیادہ اٹھارہ بیس سال کے تھے۔ مرزا غلام احمد کے انتقال پر اُن کے جنازے کے ساتھ بٹالہ تک گئے۔ اور انہوں نے مرزا صاحب کے انتقال پر وکیل میں ایک تعریفی نوٹ لکھا جسکو مرزائی سینکڑوں دفعہ دہرا چکے ہیں۔ لیکن مولانا نے کبھی اس کی تردید نہیں کی نہ یہ لکھا کہ یہ نوٹ میرے قلم سے نہیں ہے۔

۴۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ، میرے والدین اور میرے بھائی احمدی تھے۔ اور اس پورے کنبے میں صرف میں ایک شخص ہوں۔

جو ابتدائے عمر میں تو طبعاً اپنے گھر والوں کا ہمزبان رہا۔ لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد احمدیت سے میرا کوئی دُور کا تعلق کبھی نہ رہا۔ کیا یہ قابلِ تعریف بات ہے یا لائقِ نفرین؟

۵۔ میں نہ قادیانی مرزائی ہوں، نہ لاہوری۔ میرے عقائد ایک سیدھے سادے مسلمان کے ہیں۔ لیکن تکفیر کا سخت دشمن ہوں۔ مرزائیوں کو بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتا ہوں۔ جس طرح اہلِ قرآن۔ اہلِ حدیث، حنفی۔ شافعی۔ رافضی۔ خارجی، سب مسلمانوں کے فرقے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ میں مرزا صاحب اور آپ کے پیروں کو کافر نہیں سمجھتا۔ کچھ مدت پہلے "تکفیرِ مسلمین" پر ایک رسالہ لکھ چکا ہوں۔ جس پر مکفرین میں بہت اضطراب پیدا ہوا تھا۔

۶۔ میں "دعوت" کے مضمون کا کوئی جواب نہیں لکھنا چاہتا نہ کسی اپنے دوست سے اس امر کا خواہاں ہوں، کہ اس کے متعلق کچھ لکھے۔ ذکر و بحث کے متعلق لوگوں میں مجنونانہ رجحان ہے اور خصوصاً مرزائیت کے متعلق تو بعض لوگ اس قدر عقل و ہوش سے بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ معمولی آداب و اخلاقِ اسلامی کو بھی مدِنظر نہیں رکھتے۔

میں نے جو کچھ دیکھا لکھ دیا ہے۔ اس کے غلط یا صحیح ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوں، بعض اہلِ فکر مسلمان جن میں مولانا ابوالکلام اور علامہ اقبال دونوں شامل ہیں کم از کم زندگی کے ایک حصہ میں مرزائیوں کے متعلق رواداری رہے ہیں۔ یہ کون نہیں جانتا کہ اقبال کے

ـه اس واضح اعلان کے باوجود میرے پیارے کرم فرما قاضی احسان احمد کا سالک کو "پنجابی" لکھوانے پر اصرار کہاں تک جائز ہے

تعلقات ایک زمانے میں مرزائیوں کے ساتھ نہایت دوستانہ تھے۔ بلکہ میں نے اپنی آنکھوں سے علامہ کو احمدیہ بلڈنگ میں مرزائیوں کے جلسوں کی صدارت کرتے دیکھا ہے اور مولانا ابوالکلام تو عمر بھر رواداری برتتے رہے ہیں۔

یہ باتیں محض آپ کے اطمینان کی غرض سے لکھ دی ہیں۔ تاکہ آپ میرے مؤقف سے واقف ہو جائیں۔ اور یہ بھی محض آپ کے خلوص کو دیکھ کر لکھ رہا ہوں۔ ورنہ میں نہ اس قسم کی بحثوں میں پڑنا چاہتا ہوں۔ نہ ان کو جاری رکھنے کی توفیق رکھتا ہوں۔

والسلام

سالک

---

(۲)

مسلم ٹاؤن لاہور

۱۳ فروری ۱۹۵۶ء

مکرمی شاہ صاحب السلام علیکم۔ آپ کا خط ملا۔ جب میں آپ کو مفصل خط لکھ چکا ہوں۔ تو دوسرے دن ہی مجھے شورش صاحب نے بتایا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے پرائیویٹ سکریٹری مولوی اجمل خاں نے دو باتوں کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ "مولانا مرزا غلام احمد کے جنازے کے ساتھ امرتسر سے بٹالہ تک نہیں گئے تھے۔ اور مرزا صاحب کے انتقال پر جو شذرہ "وکیل" میں چھپا تھا۔ وہ مولانا کا لکھا ہوا نہ تھا بلکہ کوئی صاحب عبدالمجید کپورتھلوی

تھے۔ انھوں نے لکھا تھا (میرا خیال ہے "دعوت" والوں نے اپنا پرچہ بھیج کر مولانا سے تردید کی استدعا کی ہوگی)

اب میں کیا عرض کروں مرزائیوں نے آج سے اڑتالیس سال پہلے بیان کیا تھا۔ کہ مولوی محی الدین احمد آزاد کلکتہ والے جو وکیل کے ایڈیٹر ہیں۔ انھوں نے بے حد ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور ہمارے ساتھ امرتسر سے بٹالہ تک گئے۔ جب ہم مرزا صاحب کا جنازہ لئے جا رہے تھے "اب اگر مولانا نصف صدی بعد اس سے انکار کرتے ہیں تو میرے لئے اس کے سوا کیا چارہ ہو کہ تسلیم کر لوں

دوسری بات شذرہ کے متعلق ہے اڑتالیس سال کے دوران میں مرزائیوں نے سینکڑوں بار اس شذرہ کو شائع کر کے اس کو مولانا ابوالکلام سے منسوب کیا۔ لیکن اس طویل مدت میں مولانا یا ان کے کسی قریبی نیازمند نے اس کی تردید نہ کی۔ حالانکہ اس وقت تردید کی ضرورت بھی تھی۔

اس کے علاوہ جب مولانا وکیل کے ایڈیٹر تھے تو اس کے ایڈیٹوریل صفحہ کے تمام مندرجات کی ذمہ داری لازماً مولانا پر عائد ہوتی ہے۔ اگر انھوں نے وہ شذرہ خود اپنے قلم سے نہیں لکھا تو کم از کم اُسے اشاعت کے لئے پاس تو کیا ہی ہوگا۔ یہ کیونکر ممکن تھا۔ کہ حصۂ اداریہ میں کوئی مضمون ان کے عقائد کے خلاف درج ہو جاتا۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مجھے اپنی تحریر پر ہرگز اصرار نہیں مجھے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ گزشتہ چالیس سال سے جو قلبی و روحانی تعلق ہے۔ وہ مرزا غلام احمد یا احمدیوں سے کیونکر ہو سکتا ہے۔

میرے لئے یہ الزام ناقابل برداشت ہے کہ میں نے مولانا کے سلسلے میں کوئی غلط بیانی کی۔ یا میری کسی تحریر سے مولانا کے خلاف کسی حلقے میں غلط فہمی پیدا ہوئی۔ میں ایک مختصر سا کھلا مکتوب "چٹان" کے ذریعہ سے پیش کر رہا ہوں۔ جو غالباً آئندہ ہفتے کے چٹان میں شائع ہو جائے گا۔

"دعوت" کا ذکر چھوڑیئے۔ یہ لوگ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ ان کا مقصد تو محض ان لوگوں کو بدنام کرنا ہے جو ان کے اندازِ فکر سے متفق نہیں ہیں۔ میں ایسے اخباروں کا حریف نہیں ہوں۔ اسکے علاوہ دعوت تو شاید ڈیڑھ دو ڈھائی سو سے زیادہ چھپتا بھی نہ ہوگا۔ میں نے اور میرے اچھے اچھے اخبار نویس دوستوں نے کبھی کبھی دعوت کا نام نہیں سُنا۔ پھر اسکی طرف توجہ کی کیا ضرورت۔

آپ میرا کوئی مکتوب شائع نہ کیجئے۔ اس سے خواہ مخواہ بحث و فتنہ کا دروازہ کھلے گا۔ اور میں اس میدان کا مرد نہیں ہوں اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں خطوط میں بے تکلف اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہوں تو اشاعت کا خیال بھی نہ کیجئے۔ ورنہ میری آپ کی خط و کتابت منافقانہ ہو جائے گی۔ اور ہر ہر لفظ احتیاط سے لکھنا پڑے گا۔

تصویر دستخط شدہ کسی آئندہ خط کے ساتھ ارسال کروں گا۔

سالک

(۳)

مسلم ٹاؤن لاہور

۷ مارچ ۱۹۵۶ء

مکرمی اسلام علیکم

آپ کا پہلا خط بھی مل گیا تھا اور ۵ مارچ کا لکھا ہوا بھی مل گیا۔

دہلی میں مولانا ابو الکلام آزاد سے ملاقات ہوئی چونکہ مولانا کی طبیعت ناساز تھی اسلئے ملاقات مختصر رہی ورنہ تندرستی کی حالت میں تو وہ دو دو گھنٹے میرے ساتھ گفتگو کیا کرتے ہیں۔ دورانِ ملاقات میں انہوں نے فرمایا آپ میرے مدۃ العمر کے عزیز ہیں اس لئے مجھے شکایت ہوئی کہ خلافِ واقعہ بات آپ کے قلم سے کیوں نکلی" میں نے وہی جواب دیا جو چٹان میں شائع کرا چکا تھا آخر میں یہ بات ہنسی ہی میں اُڑ گئی کہنے لگے" اب اس کی تردید کر دیجئے" میں نے کہا تردید کر چکا ہوں آپ چاہیں گے تو تردید مزید کر دوں گا۔

آج ربوہ سے مجھے یہ اقتباس موصول ہوا ہے :۔

از" آئینہ صداقت" مرتبہ مفتی محمد صادق صاحب مطبوعہ جولائی ۱۹۰۸ء نول کشور سٹیم پریس لاہور، صفحہ ۱۱۳

"مسلمان صاحبان نے بھی ایسا ہی شرافت کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا مثلاً خواجہ یوسف شاہ صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ امرتسر ایڈیٹر مسلم کرانیکل کلکتہ اور جناب مولانا ابوالکلام آزاد جو ہمدردی کے اظہار میں اسٹیشن تک تشریف لائے۔" (وغیرہ)

مجھے یاد تھا کہ مولانا اسٹیشن ہی تک نہیں آئے بلکہ گاڑی میں بیٹھ کر بٹالہ تک گئے کم از کم ان کا بہ نیتِ اظہارِ ہمدردی اسٹیشن تک تشریف لانا تو مسلم ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ امرتسر سے بٹالہ تک کا سفر بھی کسی نہ کسی ماخذ سے ثابت ہو جائے گا۔

باقی رہا مرزا صاحب کے انتقال پر وکیل میں تعریفی نوٹ لکھنا تو جس حالت میں مولانا اس کی تحریر سے انکار کرتے ہیں اور کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں تو میں کیا کہہ سکتا ہوں واللہ اعلم بالصواب :۔

تصویر ارسالِ خدمت ہے۔

سالک

---

(۴)

مسلم ٹاؤن لاہور

۱۶ مارچ

مکرمی السلام علیکم

خط ملا۔ میں لاہور سے باہر تھا اس لئے جواب جلد نہ لکھ سکا۔

مبارک اردو لائبریری کے لئے کتابوں کا معاملہ دشوار نہیں۔ لیکن اس کے لئے بڑے تردد کی ضرورت ہے، جو میرے بس کا نہیں۔ بے شمار کتابیں ایسی ہوں گی جو میرے کام کی نہیں۔ لیکن ان کا چھانٹنا اور فیصلہ کرنا بڑا لمبا کام ہے

"سرگزشت" کی کوئی کاپی میرے پاس نہیں پبلشر نے جتنے نسخے دیئے
دوستوں اور عزیزوں میں تقسیم ہوگئے۔ غالباً اب پہلا ایڈیشن ختم کے قریب
ہوگا پبلشر سے براہ راست منگوائی جاسکتی ہے۔ باقی خیریت :-

سالک

۱۹۵۶ء

۵

مسلم ٹاؤن لاہور
۶ اپریل ۱۹۵۶ء

مکرمی السلام علیکم

آپ کا خط مورخہ ۲۰ مارچ بھی مل گیا تھا۔ اور آج ۴ اپریل والا بھی
مل گیا۔ میں خطوط کا جواب دینے میں ہرگز سست نہیں ہوں۔ لیکن گذشتہ
ایام میں اس قدر مصروف رہا ہوں کہ کسی چیز کا ہوش نہیں رہا، بہرحال اب
نسبتہً فارغ ہوں۔

آپ نے مہر صاحب کے عقائد کے متعلق دریافت کیا تھا۔ ان کا
مسلک محض اسلام ہے عقائدِ سلفیہ کی طرف مائل ہیں یعنی عقائد اہلِ حدیث
کے قریب۔ ذی علم آدمی ہیں۔ عقائد کے معاملے میں تحقیق کے قائل ہیں۔

احمد شاہ بخاری کا پتہ یہ ہے

ایچ۔ ای۔ پروفیسر احمد شاہ بخاری اسسٹنٹ سکریٹری جنرل
(انفارمیشن) ۔ یو۔ این۔ ہیڈ کوارٹرز ۔ نیویارک
یو۔ ایس۔ اے

"پیغام صلح" کے مضمون کی نقل بھیجنے کا شکریہ۔ لیکن پہلا فقرہ "وہ مرزا
غلام احمد قادیانی سے متاثر تھے الخ" محض دعوت کی شرارت ہے میں نے
ایسا فقرہ کہیں بھی نہیں لکھا۔ شاید مودودی اخبار "ایشیا" نے اضافہ کر دیا ہو۔
بہرحال میں تو اب اس بحث میں خاموش ہو چکا ہوں۔ مولویوں اور احمدیوں کو
آپس میں بحث کرنے دیجئے۔ اصل معاملہ آپ کو لکھ ہی چکا ہوں۔

"پیغام صلح" لاہوری مرزائیوں کا اخبار ہے۔ سنا ہے "الفضل" نے
بھی اس مسئلہ پر زور دار لکھا ہے لیکن میں نے نہیں دیکھا۔

سالک

۶

مسلم ٹاؤن لاہور
۲۵ ستمبر ۱۹۵۶ء

مکرمی۔ السلام علیکم

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ "یارانِ کہن" والی بحث مدت سے ختم ہو چکی ہے
اس کو جاری رکھنا بالکل بےکار اور لاحاصل تھا۔ "الہلال" دورِ اول کے

پرچے بے حد کمیاب ہیں، ان کے لئے کسی اخبار میں اعلان چھپوائیے۔ ممکن ہے
کوئی ضرورت مند صاحبِ ذوق ان پرچوں کو علیحدہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں
میری ذاتی کوشش اس معاملہ میں کارگر نہیں ہو سکتی۔

غالب کے شعر کی آپ نے شرح دریافت کی ہے میں خط و کتابت
میں اشعار کی شرح کی خدمت بجا لانے سے معذور ہوں آپ غالب کی کوئی شرح
بازار سے منگوا لیجئے اس شعر کے ساتھ ہی غالب کے دوسرے مشکل اشعار کی
شرح بھی آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ مجھ سے تو ایسے سوالات کیا کیجئے۔ جو
آسانی سے کسی کتاب سے حل نہ ہو سکیں۔ باقی خیریت۔ اُمید ہے آپ کا
مزاج بخیر ہو گا۔

سالک

---

(۷)

مسلم ٹاؤن لاہور
۱۷؍اکتوبر ۱۹۵۶ء

مکرمی سید صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں مصروف آدمی ہوں۔ اور
پھر بے کار خامہ فرسائی کو یوں بھی پسند نہیں کرتا۔ غالب کے شعر کی شرح
خط میں لکھ کر بھیجنا محض تکلف ہے۔

الہلال کے متعلق احباب سے دریافت کرنے کا معاملہ آسان نہیں

آپ کسی اخبار میں اپنی ضرورت لکھ بھیجئے۔ وہ شائع کر دے تو ممکن ہے
کوئی ضرورت مند الہلال کے پرچے علیحدہ کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ آجکل
کوئی کتاب زیرِ تصنیف نہیں۔ متفرق کام ہیں وہ کر رہا ہوں۔ باقی خیریت۔

سالک

---

(۸)

مسلم ٹاؤن لاہور
۷؍نومبر ۱۹۵۶ء

مکرمی السلام علیکم

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ میں سال بھر میں ایک آدھ غزل کہتا ہوں۔
جو بیس جگہ پڑھی جاتی ہے۔ اور دس پرچوں میں شائع ہو جاتی ہے ——
"غیر مطبوعہ غزل کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آج تک ایک شعر بھی غیر
مطبوعہ نہیں رہا۔ نہ آئندہ رہنے کی اُمید ہے اور جو چیز غیر مطبوعہ رہتی ہے
پھر اس کو کوئی نہ کوئی ایڈیٹر صاحب لے بھاگتے ہیں۔ اس لئے تعمیلِ ارشاد
سے قاصر ہوں۔

"انقلاب" کے فائل میرے پاس موجود ہیں۔ شاید کوئی ایک آدھ
سہ ماہی کی جلد نہ ہو۔ لیکن زیادہ تر موجود ہیں ۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۹ء تک
اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

سالک

---

⑨

مسلم ٹاؤن لاہور
۱۲ نومبر ۱۹۵۶ء

جنابِ من السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو میری طبیعت کی بعض خصوصیات اور شاعری کے متعلق میرے رویّہ کا علم نہیں جو بالمشافہ ملاقات کے بغیر ممکن نہیں ورنہ آپ شکایت کا لہجہ اختیار نہ کرتے۔ یہ صحیح ہے کہ میرے پاس ایک شعر بھی غیر مطبوعہ نہ کبھی رہا ہے نہ اس وقت ہے۔ اگر کسی وقت کوئی غزل ہو گئی تو لکھ بھیجوں گا۔

"انقلاب" کے فائل میری کوٹھی پر موجود ہیں۔ جو صاحب کچھ دیکھنا چاہیں وہ یہاں آکر میرے سامنے دیکھ سکتے ہیں، یہ فائل یہاں سے باہر نہیں جا سکتے۔ بار ہا بعض دوستوں نے مانگے لیکن میں اس پر آمادہ نہیں ہوا کیونکہ نایاب چیز ہے۔ "عطیہ و شبلی" کے متعلق میں کیا عرض کروں۔ امین زبیری کی ایک کتاب سنا ہے چھپ چکی ہے۔ اس میں سب کچھ لکھا ہے۔ مجھے تو صرف اسی قدر معلوم ہے کہ عطیہ کی جوانی اور دوشیزگی کے زمانہ میں مولانا شبلی جن کی عمر کوئی ساٹھ سال کے قریب تھی۔ بمبئی جاتے تھے تو اس خاندان کی روشن خیال خواتین ان کی بڑی خاطر مدارات کرتی تھیں۔ مولانا شبلی عطیہ کو پسند کرتے تھے۔ اس کے بعد عطیہ نے ایک یہودی آرٹسٹ سے شادی کر لی۔ تو مولانا کو یہ ناپسند ہوا۔

میں اس قسم کی بحثیں خطوط میں چھیڑنے کا عادی نہیں ہوں نہ یہ مناسب ہی ہے۔ کبھی ملیے تو جتنی باتیں دریافت کرنی ہوں کر لیجیے، اپنے علم کے مطابق جواب دے دوں گا۔ لیکن خطوط کا معاملہ درست نہیں۔

والسلام
سالک

---

⑩

مسلم ٹاؤن لاہور
۲۰ دسمبر ۱۹۵۶ء

مکرمی السلام علیکم

آپ کا خط ملا حقیقت میں میں خطوط میں مختلف شخصیتوں یا مسئلوں پر بحث کا قائل ہی نہیں۔ خطوط میں کوئی بات تفصیل سے نہیں کہی جا سکتی۔ نہ کھل کر اظہارِ خیال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اتنی فرصت کس کو ہے۔ کہ طول طویل خطوط لکھے۔ ملاقات میں ہر قسم کی باتیں ہو سکتی ہیں اور انسان کھل کر ہر چیز بیان کر سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ مجھے جوش ملیح آبادی کا پتہ معلوم نہیں۔ ایک دو دوستوں سے ٹیلی فون پر پوچھا۔ تو وہ بھی بے خبر ہی نکلے۔ میرے اور جوش کے درمیان خط و کتابت نہیں ہے۔ یوں میں پچھلے دنوں کراچی گیا تو وہ ہوٹل میں مجھ سے ملنے آئے تھے۔ لیکن پتہ میں نے دریافت ہی نہیں

کیا۔ کیونکہ ضرورت نہ تھی۔ میں دہلی میں ایشین رائٹرز کانفرنس میں شرکت کے لئے کل جا رہا ہوں۔ فیض احمد فیض۔ شوکت تھانوی۔ اے حمید اور بعض دیگر احباب ہمراہ ہوں گے۔ تین چار دن دہلی میں رہ کر واپسی ہوگی۔

سالک

---

(۱۱)

مسلم ٹاؤن لاہور
۳۱ر دسمبر ۱۹۵۶ء

جنابِ من السلام علیکم

کارڈ ملا۔ ایشین رائٹرز کانفرنس ۲۳ سے ۲۹ر دسمبر تک دہلی کے "وگیان بھون" میں منعقد ہوئی، ملک راج آنند اس کے کرتا دھرتا تھے۔ مغربی پاکستان سے فیض، میں اور تین چار اور حضرات گئے، مشرقی پاکستان سے پانچ بنگالی ادیب شامل ہوئے کانفرنس میں ۱۱ ملکوں کے ادیبوں کے وفد شریک تھے اور بعض یورپی ملکوں کے آبزرور بھی شامل کئے گئے تھے۔ اسلامی دنیا غائب تھی صرف ایک ایرانی نمائندہ سعید نفیسی تھا، جو اتفاق سے یہاں موجود تھا۔ بلکہ علی گڑھ میں نوکر بھی ہو چکا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ ایشیائی ادباء و مصنفین مل کر بیٹھیں اور مختلف ملکوں کے درمیان ثقافتی روابط پیدا کرنے کی کوشش کریں طے ہونے کی بات کوئی نہ تھی۔ وفود کے رئیسوں نے تقریریں کیں۔ اب تجویز یہ ہے کہ ہر ملک میں دوسرے ممالک کی

کتابوں کے ترجمے شائع کرنے کے لئے مرکز قائم کئے جائیں۔ صدر کبھی ہمایوں کبیر، کبھی جتندر ناتھ، کبھی اور کوئی ہوا، بہت سے صدر تھے اور بس نشستند و گفتند و برخاستند۔ حکومت ہند کی طرف سے نہ صدر، نہ نائب صدر، نہ مولانا ابوالکلام نہ کوئی اور شریک ہوا۔ اب سنتا ہوں کہ آخری اجلاس میں پنڈت نہرو پہنچ گئے تھے اور تقریر بھی کی تھی۔

میں ۲۵ کو چل کر ۲۶ کو واپس لاہور پہنچ گیا کیونکہ یہاں اورینٹل کانفرنس ہونے والی تھی اور مجھے اس میں لازماً شریک ہونا تھا۔ فیض صاحب غالباً آج یا کل واپس آئیں گے۔

سالک

---

(۱۲)

مسلم ٹاؤن لاہور
۱۱ر جنوری ۱۹۵۷ء

مکرمی السلام علیکم

خط ملا۔ حالی کے اس شعر پر کئی سال ہوئے بحث ہو چکی ہے "ہفتہ وار خیام" میں شبلی بی کام نے شروع کی تھی۔ میں نے لکھا تھا کہ بظاہر تو مغربی تبریزی مراد ہے جو نہایت صوفی صافی شاعر تھا، لیکن حالی نے مغرب کی پیروی کا جو مسلک اختیار کیا تھا، اس کی وجہ سے بعض لوگ مغربیوں کی پیروی مراد لیتے ہیں، دوسرے مصرع میں مصحفی و میر کا نام لینے سے لازم

یہی آتا ہے کہ یا تو پہلے مصرع میں مغربی سے مراد شاعر مغربی لی جائے یا حالی مغربی کی جگہ کسی طرح مغربیاں یا غربیاں یا شعر مغربی باندھتے تو معاملہ صاف ہو جاتا۔

بہر کیف اس پر مغز کھپانے کی کیا ضرورت ہے یہ واضح ہے کہ شعر نہایت پست ہے۔

مغربی تبریزی کا اتباع ہو تو اچھا ہے تصوف و اخلاق کی تعلیم اسکی خصوصیت ہے۔ اگر مغربیوں کا اتباع مقصود ہو تو وہ بھی ٹھیک ہے۔ اِس وقت مسلمانوں کا مسلک ہی یہ تھا کہ ہر چیز میں مغرب کی پیروی کی جائے۔

سالک

(۱۳)

مسلم ٹاؤن لاہور

۲۷ر فروری ۱۹۵۸ء

مکرمی السلام علیکم

خط ملا۔ میں دو ماہ سے بیمار ہوں۔ اس دوران میں ایسے مرحلے بھی گزرے کہ امید زیست منقطع ہو گئی، بارے اللہ نے فضل کیا، لیکن نقاہت اس قدر ہے کہ اب تک نوشت و خواند معطل ہے۔ اور خدا جانے یہ کیفیت کب تک رہے گی۔

مجھے خوب یاد ہے کہ آپ نے مولانا ابوالکلام کے سفر بٹالہ کے متعلق مجھ سے خط و کتابت کی تھی۔ مولانا کا انتقال نہ صرف ہند و پاک بلکہ ساری اسلامی دنیا کا نقصان ہے ایسے ہیرے کہاں پیدا ہوتے ہیں۔

میں علالت کی وجہ سے کراچی کی کنونشن میں شریک نہیں ہو سکا اس لئے اس کے متعلق بس اتنا ہی جانتا ہوں جو اخباروں میں شائع ہو چکا ہے۔

مرزا محمد سعید کسی زمانے میں لاہور کے گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے۔ بے حد ضعیف ہو چکے ہیں۔ انٹیلی جنس سکول کراچی میں اپنے کسی صاحبزادے یا داماد کے ہاں مقیم ہیں۔ کراچی میں ان کا مفصل پتہ نہایت آسانی سے دریافت ہو سکتا ہے کسی ادیب یا اخبار نویس سے پوچھ لیجئے گا۔

باقی خیریت۔

سالک

آخر میں جناب عبدالسلام خورشید خلف الرشید سالک مرحوم کا مکتوب بھی ملاحظہ فرمایئے۔

۱۰۔ سالک روڈ مسلم ٹاؤن
برلبِ نہر، لاہور
۲۱ مارچ ۱۹۶۲ء

محترمی شاہ صاحب

آداب۔ آپ کا خط ملا اور "مسلک" کا مطلب معلوم ہوا۔ یہ غلط ہے کہ والد مرحوم قادیانی یا لاہوری احمدی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دادا مرحوم، قادیانی احمدی تھے ان کے زیرِ اثر سولہ۱۶ سترہ۱۷ برس کی عمر میں والد مرحوم احمدی بنے، دو سال بعد لاہور آئے، انیس۱۹ برس کی عمر میں انہوں نے مرزا غلام احمد صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور چند مہینوں کے اندر اندر محسوس کیا کہ احمدی غلطی پر ہیں چنانچہ انہوں نے فسخ بیعت کا خط بھیج دیا۔

جو واقعہ میں نے بیان کیا ہے یہ مجھے والد مرحوم نے اس وقت بتایا تھا جب میں ساتویں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ میں مسلم ہائی اسکول لاہور کا طالب علم تھا یہ اسکول احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے زیر اہتمام تھا اور جب میں نے مرزا غلام احمد "مجدد" اور "مسیحِ موعود" وغیرہ کے الفاظ سُنے تو میں نے والد مرحوم سے اس بارے میں دریافت کیا کیونکہ بعض اوقات احمدی لڑکوں سے مناظرہ بھی ہو جاتا تھا۔ انہوں نے مجھے تین چار مواقع پر احمدیت

کے خلاف دلائل فراہم کئے بڑے ہو کر میں نے مرحوم سے احمدیت کے مسئلہ پر گفتگو کی وہ کہتے تھے "مرزا غلام احمد صاحب نے ابتدائی زندگی میں آریہ سماجیوں اور عیسائیوں کے پروپیگنڈے کو زائل کرنے کے لئے بڑی خدمات سرانجام دی تھیں اور مرزا صاحب بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ لیکن بعد میں انھیں بعض ایسی بیماریاں لاحق ہوئیں جن میں انسان کو پُراسرار آوازیں آتی ہیں جو حقیقت میں انسان کے اپنے ہی خیالات کی صدا ہوتی ہے، مرزا صاحب نے اُنھیں الہام سمجھا" والد صاحب نے کہا چونکہ مرزا صاحب بڑے فاضل بزرگ تھے اس لئے بعض اوقات انھیں آوازیں بھی ایسی آئیں جو علمی اور دینی نوعیت کی تھیں یہی وجہ ہے کہ بعض "الہام" اچھی عبارت کی حیثیت رکھتے ہیں اگرچہ وہ الہام نہیں۔ والد صاحب کی رائے یہ بھی تھی کہ مرزا صاحب بددیانتی اور فریب سے نہیں، ایمان داری سے اپنے آپ کو نبی اور مسیحِ موعود جانتے تھے۔ انھیں نہیں معلوم تھا کہ یہ آوازیں "الہام" ان کی بیماریوں (مراق وغیرہ) کا نتیجہ ہیں۔

البتہ والد صاحب تکفیر کے کبھی قائل نہیں ہوئے وہ کہتے تھے جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اسے مسلمان ماننا چاہیئے وہ قادیانی احمدیوں کو اس بناء پر بھی غلطی پر سمجھتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں لیکن والد صاحب کا مسلک یہ تھا کہ اس غلطی کا مقابلہ غلطی سے نہ کیا جائے اس لئے وہ احمدیوں کو کافر نہیں کہتے تھے۔

امید ہے ان تصریحات سے آپ کا اطمینان ہو جائے گا۔ باقی سب

خیریت ہے۔

آپ کا مخلص

عبدالسلام خورشید

اب سالک مرحوم کے برسوں کے ساتھی ادیب یگانہ حضرت مولانا غلام رسول مہر کے خط سے اقتباس بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

"جو لوگ سالک صاحب کو قادیانی کہتے ہیں وہ یا تو حقیقت سے بے خبر ہیں یا غلط بیانی کرتے ہیں، مرحوم ٹھیٹھ مسلمان تھے عقائد و اعمال دونوں میں اہل سنّت والجماعت کے مسلک پر کاربند تھے اپنے طریقے پر زندگی بھر محکم و استوار رہے مگر کسی کے خلاف تعصب نہ تھا۔

مولوی سید ہاشمی فریدآبادی

دیکھا سُنا کبھی نہیں، سنتا ہوں فرشتہ صفت انسان تھے مکاتیب سے بھی کچھ ایسا ہی اندازہ ہوتا ہے ـــ میری مسلسل استدعا پر مضمون لکھ بھیجا تھا، اسے شائع کیا جاتا ہے۔

(۱)

۱۱۸ے، بی ماڈل ٹاؤن لاہور

۱۹ر جنوری سنہ ۱۹۶۲ء

جناب مکرم دام افضالہم

آپ کا عنایت نامہ جس پر ۱۲ر تاریخ درج ہے دفتر تہذیب الاخلاق میں پہنچا اور وہاں کھولا گیا کیونکہ اب اس کا انتظام اور ادارت دوسرے صاحبوں کے ہاتھ میں ہے، بارے کل ۱۸ر کو مجھے مل گیا آپ کی یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن ساری زندگی مالایعنی میں گذری، اس کا تذکرہ کیا! مدت ہوئی ایک غزل میں یہ شعر کہا تھا ؎

دیکھ سلیقۂ کرم رشتۂ رائگانِ جاں   سوزنِ دستِ نازکی مشق کے کام آگیا

یعنی خود جنس کو تو اپنا مصرف نظر نہیں آتا، پیدا کرنے والے کا کرم اور کاریگری ہے کہ اس سے کام لے لے۔

میری کتابیں زیادہ تر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن اور انجمن ترقی اردو نے شائع کی تھیں، چند لاہور میں چھپی ہیں۔ افسوس ہے میرے پاس غالباً آدھی بھی محفوظ نہیں اور نہ ان کی کوئی پوری فہرست موجود ہے کہ آپ کی خدمت میں روانہ کی جائے۔ اسی طرح تصویر بھی سرکاری ضرورتوں سے کھنچوائی، یا بعض دوستوں نے اتار لی ان کی کوئی نقل میرے پاس موجود نہیں۔ آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ کر سکنے سے شرمندہ اور آپ کی قدر فرمائی اور نوازش کا دوبارہ شکریہ عرض کرتا ہوں۔

خاکسار

سید ہاشمی (فرید آبادی)

لفافہ جو آپ نے ازرہِ کرم جواب کے لئے بھیجا تھا شکریہ کیساتھ واپس ارسال ہے۔

ہاشمی

مکرر۔ جناب مولوی عبدالحق صاحب سے مجھے قریب پچاس سال نیازمندی رہی اور ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہوا، انکی عنایات اور ادبی و علمی افادات سے نہایت مستفید ہوتا رہا، کبھی کسی شکایت کا موقع آیا ہو تو اب ان کے انتقال کے بعد اسے یاد کرنا کچھ مناسب نہ ہوگا غالب نے دل میں غبار رکھنے کا جواز پیدا کیا ہے۔

شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا
غالبؔ ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

خاکسار اس غبار سے بھی بچنا پسند کرے گا۔

---

(٢)

۱۱۸ بی ماڈل ٹاؤن (لاہور)
۲۶ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

مہر فرمائے مکرم سید انیس شاہ صاحب باکرام

کل آپ کا ۲۳ر کا نوازش نامہ ملا اردو زبان سے آپ کی محبت اور اس کی ادبی خدمت کا شوق دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی اردو فی الحقیقت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے اس کے خلاف کوئی رائے دے تو یا ناواقف ہے یا شاید تفرقہ پسند ہو۔

آپ کا ارادہ اجرائے رسالہ لائق تحسین و قدر ہے میں اس سے حتی الامکان تعاون کروں گا انشاء اللہ۔ لیکن دو ایک شمارے دیکھنے کے بعد ہی رائے قائم ہو سکتی ہے کہ آپ کے رسالے کے لئے کس قسم کے مضامین مناسب ہوں گے۔

آپ کی یاد فرمائی قدر افزائی کا بہر حال شکر گزار ہوں پتے کے لئے ایک لفافہ آپ نے بھیج دیا تھا اس تکلیف کی ضرورت نہ تھی۔ دوسرا لفافہ حاضرِ خدمت کرتا ہوں۔

والسلام۔

خاکسار ۔ سید ہاشمی فرید آبادی

---

(۳)

۱۱۸ بی ماڈل ٹاؤن (لاہور)

۷ر نومبر ۱۹۶۲ء

جنابِ مکرم تسلیم

آپ کا خنگی نامہ مورخہ ۲۷ر اکتوبر ایک ہفتہ ہوا مجھے مل گیا تھا ۔ اس میں نمونے کا ایک رسالہ بھیجنے کی اطلاع درج تھی میں انتظار میں رہا کہ وہ نمونہ مل جائے تو رسید اور جواب گذارش کروں ابھی تک کوئی رسالہ مجھے نہیں ملا، سندھ کے مشہور ادیب جناب راشدی صاحب سے یہاں ملاقات ہوئی وہ بھی لالہ صحرا سے بے خبر نکلے ۔ یقین کیجیے کہ صحت اور فرصت میری مساعد نہیں ورنہ آپ کی فرمائش پوری کرنے میں ہرگز لیت ولعل نہ کرتا

والسلام

خاکسار و شرمسار
سید ہاشمی

---

(۴)

ماڈل ٹاؤن لاہور

۱۲ر نومبر ۱۹۶۲ء عصر

مہر فرما تسلیم

رسالہ لالہ صحرا (شمارہ اوّل ۱۳۵۲ھ) اور آپ کا گرامی نامہ ساتھ ساتھ آج موصول ہوئے رسالے میں کئی پرانے دوست آشنا کے نام تھے ۔ جو اب ملک بقا کو جا چکے ہیں ۔ اس رسالے کی تیاری اور اشاعت میں کس قدر دشواری اور پریشانی پیش آئی اس کا اندازہ اس کے حواشی سے تھوڑا بہت ہو جاتا ہے اور غالباً زیادہ مدت وہ جاری بھی نہ رہ سکا[1] کہاں سنجر پور کہاں جوالا پور ۔ حیرت ہے پھر بھی آپ آزمودہ کو آزمانے پر تلے ہوئے ہیں میرا عمر بھر کا تجربہ یہی ہے کہ کسی مستقل ادارے یا جماعت کی پشت پناہی اور یا کثیر سرمایہ کھپانے کے بغیر ماہانہ یا سہ ماہی رسالے جاری نہیں رہ سکتے دو چار پرچے نکل کر رہ گئے تو نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ کے مصداق بننا پڑتا ہے۔

زبان اردو کی واقعی خدمت اور خلقِ خدا کی فائدہ رسانی کی یہی بہتر صورت سنجر پور میں غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ آپ اردو نوشت و خواند کی جماعتیں قائم کریں چھوٹوں اور بڑوں کو مفت تعلیم دلوائیں، بلکہ کتابیں اور لکھنے کا سامان خود فراہم کریں اگر اچھے استاد مل جائیں چند سال میں صدہا افراد کو جہالت سے

---

[1] والدِ محترم نے روشن صدیقی کے اشتراک سے لالہ صحرا جاری کیا مالی مشکلات کی وجہ سے صرف ایک پرچہ نکل کر رہ گیا میں اسے پھر زندہ کرنے کی فکر میں ہوں لیکن دو سال سے ڈیکلریشن ہی نہیں مل رہا۔

نکال کر آپ ثواب دارین کے حقدار ہوں گے۔

ادبی رسالے تو پہلے ہی بہت سے نکلے اور نکلتے رہتے ہیں اگر رسالہ جاری کئے بغیر آپ نہیں رہ سکتے تو کوئی خاص موضوع اور مقصد ہی متعین کر لیجئے خواہ علمی، لسانی، ادبی، اخلاقی، اسلامی یا محض تفریحی سہی تاکہ رسالہ دوسروں سے متمیز ہو سکے۔ آئندہ جیسی آپ کی خوشی۔ معاف کیجئے گا۔

اند کے بالو نگفتم غم دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیارست

دوستوں نے ایک رسالہ کی اِدارت زبردستی میرے سر کر دی ہے۔ اس سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہو رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا آپ کی فرمائش کس طرح پوری کروں۔

عبدالرحمن چغتائی کا ٹھیک پتہ مجھے معلوم ہو گیا تو لکھ بھیجونگا مرسلہ رسالہ آپ فرمائیں تو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا جائے ـــــ

والسلام

خاکسار

سید ہاشمی

پس:۔ آپ اپنے رسالے کا نام "انیس" ہی کیوں نہ رکھ لیں؟

ہاشمی

---

⑤

مہر فرمائے من تسلیم۔ نامۂ گرامی مورخہ ۱۵ر نومبر کے جواب میں یہ دریافت طلب معلوم ہوا کہ کس قسم کے مضامین آپ کے رسالے کے لئے موزوں ہوں گے؟ تاریخ تذکرہ، ادبیات، مذہب (اسلامیات) کس موضوع پر آپ مجھ سے لکھوانا پسند کرتے ہیں؟

خاکسار

ہاشمی

۱۱۸ بی ماڈل ٹاؤن (لاہور)

۱۷ر نومبر۔ عصر۔ ۱۹۶۳ء

---

⑥

ماڈل ٹاؤن، لاہور

۱۳ر دسمبر ۱۹۶۳ء

حضرت مکرم، اس شعر کے مصداق کہ

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار　　لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

آپ سے وعدے کا خیال سر پر سوار رہا، اس وقت آپ کا کارڈ ملا، بہ مشکل مہلت نکال کر ایک مختصر مضمون انشاء اللہ دو چار دن میں ارسالِ خدمت کر دوں گا پھر آپ جانیں آپ کا کام۔ والسلام۔

خاکسار　　سید ہاشمی

(۷)

لاہور

۱۷ دسمبر ۱۹۶۳ء

مہر فرمائے مکرم تسلیم

حسب ارشاد ایک مضمون لکھ کر حاضر خدمت کرتا ہوں، اچھا برا ہونے کا تو فیصلہ آپ فرمائیں گے لیکن یہ واقعہ ہے کہ محض آپ کے پاسِ خاطر سے دوسرے کاموں کو چھوڑ کر یہ چند صفحات لکھے گئے ہیں۔ اُمید ہے ڈاک پرچی سے رسید لکھ کر مطمئن فرمائیے گا۔ والسلام

خاکسار

سید ہاشمی

ایجازِ سخن، اعجازِ سخن

امیر المومنین عمر ابن الخطاب سے ایک دانش مند مسیحی نے سوال کیا کہ روحِ بسیط اتنی لطافت کے باوجود جسمِ کثیف میں کس طرح آسکی؟ انہوں نے فرمایا "جس طرح تیرے الفاظ میں اس کے معنی آ گئے"۔

شاعر کے افکار بھی لفظ کی احتیاج سے آزاد نہیں ہو سکتے، لیکن قلبی تاثرات کا ذہن میں ملفوظ ہونا یقیناً ایک بعد کی منزل ہے اس لئے "تاثر پرست" برابر اس دھن میں رہے کہ کس طرح کم سے کم الفاظ کو قلب کی وسیع کیفیات کا ترجمان بنائیں چنانچہ عہدِ قدیم سے صنعت ایجاز

شعر کا زیور مانی گئی دورِ جدید میں خاص طور پر ایسے تجربات کئے گئے۔ "تقلیل کلام" کے اس مقابلے میں کہتے ہیں جاپانی سب سے آگے نکلے۔ وہ طوالانی موضوعات پر ڈھائی ڈھائی مصرعے کی نظم تیار کر دیتے ہیں، ایک بے مثل مثال ڈیڑھ مصرعے کا جواہر ریزہ ہے جسے انگریزی ترجمہ میں دیکھنے کا ہمیں اتفاق ہوا۔ یہ شاعر کا گھر آگ سے جل جانے کا مرثیہ ہے:-

"It has burnt

How serene the flowers in their falling"

عہد حاضر کے فرنگی "پوسٹ امپریشنسٹ" اور "ٹرین سی ڈینٹلسٹ" دونوں قسم کے سخن وروں کا کلام بھی الفاظ کی قید سے نکل بھاگنے ہی کی سعیِ ناتمام یا تمام کہلائے گی، یہ آشفتہ خیال صرف گرد کارواں اڑا کر چاہتے ہیں کہ ذہنوں میں اصل کارواں کی تصویر اتار دیں۔

ندرت طلبی کی روایات سے بالواسطہ ایک اشارت یہ آشکار ہوتی ہے کہ بہت باریک و بلند مطالب ادا کرنے میں شاعر سادگی اور سلاست

۱۔ جاپان میں شعراء کے مقابلے یا مشاعرے "وکا" کہلاتے ہیں ان میں نظم کا موضوع مقرر اور ساتھ ہی یہ شرط کر دی جاتی ہے کہ پوری نظم میں (الفاظ نہیں) ارکان یا حرکات کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہ ہو۔ ۲۔ تازہ ترین فرانسیسی ہنری میشو (پیرس) کو دیکھیے کہ حال میں شعر گوئی ترک کر کے مصوری کرنے لگا۔ خاص وصف یہ کہ مرقعوں پر کوئی عبارت یا صراحت درج نہیں کرتا لوگوں نے سبب دریافت کیا، کہنے لگا "لفظوں کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے میں نے شاعری چھوڑی تم چاہتے ہو نقاشی میں بھی وہی بلا اپنے اوپر مسلط کر لوں۔"

کی شرط پوری نہیں کرسکتا قدمائے اردو میں میر درد کی زبان بہت صاف وسہل
ہے ذرا یہ بیت سنیئے ۔

درد ہم کو جہاں ہے پرکشائی ‏ ‏ ‏ پرواز شکستہ، بال و پر ہے

"شعر کی بڑی خوبی کہ:۔ قائل کے منہ سے نکلا اور سامع کے دل میں اتر گیا" (یادگارِ غالب) منقولہ بالا شعر پر صادق نہیں آتی حالانکہ اتنی اونچی تان کے عارفانہ ترانوں میں بھی شاید دو چار مقام پر ہی سامعہ نواز ہوگی، اسی پر خیال آیا کہ مرزا غالب یا ان کے مداحوں کا یہ قول کہ بیدل کی پیروی نے مرزا غالب کو دشوار گوئی کی راہ دکھائی تصحیح کی گنجائش رکھتا ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ آسمان تک پر مارنے والے افکار اردو بازار دہلی کی بول چال میں نہیں بندھ سکتے تھے، ناچار مرزائے عظیم آبادی کی زبان اختیار کی گو یہ فارسی بار اردو اس دیس میں کچھ ایسی ہی اجنبی ہوگی جیسے ذوالقرنین اقصائے مشرق میں؛ لا یکادون یفقہون قولا ۔ غریب شاعر کو فریاد کرنی پڑی کہ ۔

بیا در ید گرایں جا بود سخن دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظ کا جادو سہل و دشوار کی قید سے مقید نہیں ہے، سعدی، خسرو، حافظ سلاستِ کلام کا نمونہ ہیں، لیکن انہی صاف سادہ لطیف اور شیریں الفاظ میں کیسے کیسے معارف اور کیفیات بھری ہیں کہ بعد کے بڑے بڑے دقیقہ گو وہ بات نہیں پیدا کرسکے، پچھلے دنوں مسعود

سعد لاہوری کا ایک زوردار قصیدہ پڑھنے کا اتفاق ہوا جس میں یہ مشاق اور قادر الکلام استاد اپنے پیشرو غضائری کے ایک مصرعے پر گرہ لگانے اور اس سے بڑھ جانے کی جد وجہد کرتا ہے اور انصاف یہ ہے کہ کامیاب نہیں ہوتا۔ مصرعہ یہ ہے ۔

سحر گاہاں یکے عمداً بہ صحرا بگذرد رنگو ...

چند لفظوں میں ظالم نے نہ صرف عالمِ خیال کا منظر دکھایا بلکہ خیالات کا ایک قافلہ رواں کر دیا ہے۔ مولانا رومی روحانیات کے امام، میدانِ شعر کے یکہ تاز ہیں کبھی کبھی شیخ فریدالدین عطار کا کوئی شعر عنوان بنا کر شرح فرماتے ہیں اور پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حق ادا نہ کرسکے مثلاً پہلے ہی دفتر میں ایک عنوان دیا ہے ۔

تو صاحب نفسی اے غافل میانِ خاک می خور
کہ صاحب دل اگر زہر خورد انگبیں باشد

شرح میں کیا کیا معارف کے موتی پرو دیے ہیں۔

کاملے گر خاک گیرد زر شود
ناقص ار زر برد خاکستر شود ....
ہر چہ گیرد علتی علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

تنبیہی حرفِ خطاب "اے غافل" پھر بھی تشنۂ تصریح رہ گیا ہے۔
اردو شاعری میں غالب تنگنائے غزل کی رسیاں تڑا کر کائنات کی

بے کنار وسعتوں میں دوڑ لگاتے ہیں۔ ان کے فلسفیانہ یا موضوعی اشعار میں صنعتِ ایجاز امتیازی مقام رکھتی ہے۔ دو تین نظیریں اس مختصر صحبت میں پیش کر دینا کافی ہوگا ؎

۱۔ بیضا آسا تنگِ بال و پَر ہے یہ کنجِ قفس
از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیں

عارف رومیؒ کے فلسفۂ حیات و مرگ کا ایک مستقل باب وہ ہے جس میں کرۂ ارض کو بطنِ مادر کی طرح ایک دوسرا "بطن" قرار دیا گیا ہے، موت روحِ انسانی کو اس دوسرے بطن سے نکال کر ایک اور عالم میں لے جاتی ہے اور ماں کے پیٹ سے کرۂ ارض اتنا وسیع نہیں ہے جتنا اس دوسرے بطنِ ارض سے کروڑہا گنا زیادہ وسیع وہ عالم ہوگا جس کا دروازہ موت کھولتی ہے مرزا کا شعر اس نظریئے کی طرف رہنمائی کرتا ہے

۲۔ نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے

بیت کے گِنے چُنے لفظ طولانی مقالے سے زیادہ معانی بردوش ہیں، اس میں زندگی کی توجیہہ اور انسانی عظمت کا یہ نادر فلسفہ دہرایا گیا ہے کہ حاضر و آخر کونین میں کوئی چیز نفسِ انسان کو سیر نہ کر سکتی تھی صرف بزرگ سے بزرگ تر کام کرنے کا ولولہ زندگی میں کشش کا سامان ہوگیا۔

۳۔ کائنات اور خالقِ کائنات کی توصیف میں مرزا لکھتے ہیں کہ یہ شوخی بھی اس محبوبِ حقیقی کی ایک ادائے شرم و حجاب تھی کہ اپنی انگوٹھی تو

دکھائی مگر اس میں نام لکھنے کی بجائے اسے چھپا لینے کا اہتمام کیا۔

بہ رہینِ شرم ہے باوصف شوخی اہتمام اس کا
نگیں میں جوں شرارِ سنگ ناپیدا ہے نام اس کا

یہ عجیب اور بلیغ شعر پوری غزل کے ساتھ انتخاب کے تیشے نے کاٹ دیا تھا، نسخۂ حمیدیہ کی مسیحائی سے دوبارہ زندہ ہوا۔
بلند تخیّل سے اتصاف کے ساتھ مرزا صنعتِ ایجاز کے اعجاز کو خوب سمجھتے ہیں انہوں نے بڑی دیدہ ریزی سے فن کی اسی سے تزئین کی ہے، ان کی یہ تعلّی بالکل بے بنیاد نہیں ہے کہ

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے

سیّد ہاشمی فرید آبادی
ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور
رجب ۸۲ / دسمبر ۱۹۶۲ء

(۸)

۱۱۸۔ بی ماڈل ٹاؤن (لاہور)

۲۰ دسمبر ۱۹۶۲ء

مہر فرمائے مکرم تسلیم، آپ کا خط مع مضمون کی رسید ملی، وہ تو جیسا کچھ ہے لیکن آپ کو پسند آیا تو پھر اس سے اچھا کیا؛ راجہ کو بھائی رانی کہلائی لالۂ صحرا کسی کالج میں نکلا تو بے جگہ ہی سمجھا جائے گا آپ اس سے کیوں گھبرائیں، یوں بھی "ناؤں گاؤں بستے ہیں" یہ مثل ہے، ایک کارڈ آپ کا پرسوں آیا تھا۔ والسلام

خاکسار

سید ہاشمی فریدآبادی

---

(۹)

۱۱۸۔ بی ماڈل ٹاؤن (لاہور)

۲ مارچ ۱۹۶۳ء

مہر فرمائے من سلمہم اللہ تعالےٰ

تہنیتِ عید کا شکریہ

دیر آمدہ ز راہ دور آمدہ

اللہ تعالےٰ آپ کو بھی مبارک فرمائے، دعائے خیر و فلاح پر ختم کرتا ہوں۔

خاکسار سید ہاشمی

(۱۰)

۱۱۸ بی۔ ماڈل ٹاؤن (لاہور)

۶ مارچ ۱۹۶۳ء سہ پہر

کرم فرمائے بندہ تسلیم

بجواب رقعہ گرامی، افسوس میرے پاس کوئی تصویر ایسی موجود نہیں کہ دستخطی یا بغیر دستخطی ارسال خدمت کروں معذور فرمایا جائے۔

رگِ تاک نکالنے کے لئے آپ کی جدوجہد پر غالب کا شعر یاد آیا، دعا تو کیا شاید نسخۂ تسکین کہہ سکتے ہیں،

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں آرزوئے ساغر کھینچ

خاکسار
ہاشمی

(۱۱)

تسلیم، یاد آوری کا شکریہ

آپ کے اندوہ پر مومن خاں کی مشہور غزل کا مطلع اور مقطع یاد آیا ہے

درد راحت فزا نہیں ہوتا — اثر اس پر ذرا نہیں ہوتا
کیوں سنے نالۂ مومن زار — صنم آخر خدا نہیں ہوتا

وہ شعر جس کے عوض میں حضرت غالب پورا دیوان دینے پر تیار تھے اسی غزل کا ہے۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

واقعی عجیب کیفیت کا شعر ہے پھر اتنا سہل ممتنع ۔ والسلام

ہاشمی

ماڈل ٹاؤن لاہور
۱۲ مارچ سنہ ۱۹۶۳ء

(۱۲)

ماڈل ٹاؤن لاہور
۱۷ مارچ سنہ ۱۹۶۳ء

مہر فرمائے من سلمہ

ابھی آپ کا نوازش نامہ ملا۔

غالب نے مومن خاں کے شعر کی جو قیمت آنکی، اس کی روایت یادگارِ غالب میں مولوی حالی صاحب نے کی ہے، اور یقیناً صحیح ہوگی، باقی شاعروں کی ایسی خرید و فروخت کو بھی ظاہر ہے شاعری ہی سمجھنا چاہیے۔

والسلام
خاکسار ہاشمی

(۱۳)

لاہور
۲۲ مئی سنہ ۱۹۶۳ء عشاء

کرم فرمائے من تسلیم

۳۰ اپریل کا نوازش نامہ آج سہ پہر کی ڈاک سے ملا، ایک مقالے یا مضمون میں مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کے علمی، ادبی، قومی کاموں کا جائزہ لینا غالباً بہت کافی اور کارآمد ہو سکتا ہے۔ ذاتی اعمال و عقائد کو کسی مفصل سوانح کے لیے چھوڑ دیا جائے تو مناسب ہوگا، خاص کر ایسی باتیں کریدنا جس میں مرنے والے کی برائی کا پہلو نکلتا ہو اذکروا موتاکم بالخیر سے ہم آہنگ نہ ہوگا مولوی صاحب مرحوم مذہبی عقائد کے خلاف بعض اوقات بہت بیباک تعریضی کلمات کہہ گذرتے تھے، لیکن کبھی کبھی اس کے بالکل برعکس قول و عمل بھی دیکھنے میں آیا، بہر حال میں تو اس باب میں کوئی قطعی فتویٰ دینے سے قاصر ہوں[1]۔

آپ کو ڈکلریشن ملنے میں اتنی تاخیر سن کر تعجب ہوا۔ والسلام

خاکسار
سید ہاشمی

---

[1] مولوی عبدالحق کے مذہبی مسلک پر مضمون لکھتے وقت ہاشمی صاحب سے بھی استفادہ کی صورت پیدا کرنی چاہی تھی۔

(۱۴)

۷ مئی ۱۹۶۳ء ماڈل ٹاؤن (لاہور)

عید کی مبارک باد
یاد فرمائی کا شکریہ

از

خاکسار

سید ہاشمی فرید آبادی

(۱۵)

رواں ہے وقت، نہیں ہے رواں زباں میری
وہ آج بیٹھے ہیں سننے کو داستاں میری

ہاشمی

۹ مئی ۶۳ء

ماڈل ٹاؤن (لاہور)

(۱۶)

مکرمی،[1] اکثر باتیں پوری طرح یاد نہیں ہیں، اور انہیں جزئی صحت سے لکھنے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ والسلام — خاکسار سید ہاشمی

مہر ڈاک خانہ۔ ۲۷ مئی ۱۹۶۳ء

[1] مولوی عبدالحق سے متعلق

(۱۷)

شعر در وصف حال بس کرد الست چوں بہ خواہش رسید.....

(منقول از فوائد الفواد)

ہاشمی یکم جون ۱۹۶۳ء

(۱۸)

۱۱۱-بی ماڈل ٹاؤن (لاہور)

۳۰ ستمبر ۱۹۶۳ء

مکرمی آپ کا ۲۷ کا مورخہ کل سہ پہر کو ملا، رسالہ جوہر (عبدالحق نمبر) میرے پاس نہیں، بعض کتابیں ہندوستان میں رہ گئیں، چند سال ہوئے خود مجھے اس رسالے کی ضرورت پڑی تو کراچی میں بہ مشکل کسی نے مستعار لا کر دیا تھا، آپ وہاں انجمن ترقی اردو کو لکھیے شاید پتہ چل جائے اگرچہ ڈاک سے آپ کو بھیجا جائے، یہ فرمائش غالباً پوری نہ کی جا سکے گی۔

آپ کے مجوزہ رسالے کی اجرائی التوا میں پڑ گئی ہے تو میں نے جو مضمون اسکے لئے لکھ کر بھیجا تھا براہ کرم اسے واپس کر دیجئے۔

والسلام۔

خاکسار

سید ہاشمی۔

(۱۹)

ماڈل ٹاؤن (لاہور)

۷ر اکتوبر سنہ ۶۳ء

مہر فرمائے من تسلیم

۳ کا مورخہ کارڈ ملا، مضمون تو آپ ہی کی فرمائش بلکہ اصرار پر لکھا گیا اور بھیجا گیا تھا۔ اگر آپ کے رسالے کی اجرائی کی ابھی امید باقی ہے تو اس سے بہتر کیا کہ وہ آپ کے کام آئے۔ والسلام

خاکسار

سید ہاشمی

(۲۰)

۱۱۸۔ بی۔ ماڈل ٹاؤن (لاہور)

۲۴ر جنوری ۶۴ء

کرم فرمائے من تسلیم

کل آپ کا ۲۱ر جنوری کا کارڈ ملا، محمد امین صاحب زبیری مرحوم نے حضرت اقبال پر اپنی کتاب کا مسودہ مجھے دکھایا تھا، اور میرے منع کرنے کے باوجود مصر تھے کہ اسے چھپوائیں گے، حالانکہ جیسا آپ نے اندیشہ ظاہر کیا اس کے بعض اجزاء حضرت اقبال کی نسبت اچھا اثر نہیں پیدا کرتے اور ضرور ان کے معتقدین میں ناگواری کا باعث ہوں گے۔

جہاں تک یاد ہے وہ مسودہ کوئی سوا سو صفحات سے زیادہ طولانی نہ تھا پھر بھی موجودہ ارزانی زرگرانی جنس کو دیکھتے حقوق اشاعت کا جو معاوضہ زبیری صاحب مرحوم کے عزیز طلب کرتے ہیں، اسے بہت زیادہ نہیں کہہ سکتے بشرطیکہ آپکا شوق "زر دادن و درد سر خریدن" کا سودا کرنے کے لئے آمادہ ہو۔ والسلام۔

خاکسار

ہاشمی

(۲۱)

۱۱۸۔ بی۔ ماڈل ٹاؤن (لاہور)

۱۷ر فروری ۶۴ء

مہر فرمائے مکرم تسلیم

عید کی مبارکباد موصول ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو اور جملہ مسلمانانِ عالم کے حق میں اسے مبارک و مسعود فرمائے۔

یاد آوری کا شکریہ

سید ہاشمی

(۲۲)

۱۱۸۔ بی۔ ماڈل ٹاؤن (لاہور) ۱۸ر جون ۱۹۶۴ء

مکرمی۔ ۱۷ر کا کارڈ آج مجھے مل گیا، افسوس ہے مطلوبہ کتابوں

میں سے ایک بھی میرے پاس نہیں، پہلی تین جو حال میں ہی چھپی تھیں آپ کو کسی کتب فروش سے غالباً دست یاب ہو جائیں گی، جوہر اور نورس کے نمبر اب مشکل سے ہاتھ آئیں گے، والسلام ۔ اندازہ ہوتا ہے کہ خود رسالہ جاری کرنے کا اب آپ نے خیال ترک کر دیا ؟

خاکسار
ہاشمی

محمد امین زبیری

مرحوم سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اس مجموعہ میں شریک تقریباً سبھی خطوط میں ذکر خیر ان کی تصنیف "خد وخالِ اقبال" کا ہے، میں یہ مسودہ ان سے حاصل کرنے میں اس لئے ناکام رہا کہ میری مالی حالت چنداں قابلِ رشک نہ تھی، والد محترم کو میرا "پبلشر" بن کر ان کا روپیہ ضائع کرنا گوارا نہ ہوا حالانکہ یہ کتاب کاروباری لحاظ سے بھی خاصی کامیاب رہتی جیسا کہ جوش ملیح آبادی نے بھی رحیم یار خاں میں والد صاحب کے پوچھنے پر بتایا تھا اور مشورہ جناب سید رئیس احمد جعفری مدظلہٗ نے بھی یہی دیا تھا کہ اشاعت کا اہتمام کر ڈالنا چاہیئے، نفع نہ سہی لاگت تو نکل ہی آئے گی"۔

پچھلے دنوں مرحوم کے ایک قریبی عزیز سے جن کے پاس وہ مسودہ محفوظ ہے، حصول مسودہ کی تحریک کی گئی اور میں گھر پھونک تماشہ دیکھنے پر آمادہ ہوا بھی تو وہ کافر مسلمان ہو گیا، اور یہ لکھ کر پیچھا چھڑوا لیا کہ فی الحال وہ اس تصنیف کو منظرِ عام پر لانے کے حق میں نہیں ہیں، زبیری مرحوم کی روح یقیناً اس انکار پر تڑپ اٹھی ہو گی، یہی وہ زبیری ہیں جن کے طفیل اردو ادب میں مکاتیب شبلی بنام عطیہ کا گراں بہا اضافہ

ہی نہیں ہوا بلکہ شبلی کے "انسان" ہونے کا ثبوت بھی ملا "رند پارسا" کی "پھبتی" ریاض
کے بجائے شبلی پر چسپاں ہونا چاہیئے۔
خدا کرے "خدوخالِ اقبال" کو منظرِ عام پر لانے کی سعادت مجھے حاصل
ہو لیکن یہ میری ہی آرزو تو ہے اور اس کا شرمندۂ تعبیر ہونا معلوم۔

(۱)

اک اک اسکول کلفٹن (کراچی)

۱ر دسمبر

مکرم محترم تسلیم

آپ کا محبت نامہ کل موصول ہوا خطوطِ شبلی سے اغلباً کتاب شبلی کی رنگین زندگی
مراد ہے۔
آپ ذکرِ شبلی ملاحظہ فرمایئے۔ جو حیاتِ شبلی پر تنقید ہے اس سے اصل حالت
معلوم ہوتی ہے، کہ کیسی تدلیس و تلبیس ہے،
یہی حالت علامہ اقبال کی سوانح عمریوں کی ہے، میں نے ان پر بھی تنقید لکھی
ہے۔ خدوخالِ اقبال تاریخی نام ہے، لیکن اپنی ضعیف العمری اور علالت کی وجہ سے
نظرِ ثانی نہیں کر سکا۔
میری عمر ۸۶ سال میں ایک مہینہ کم ہے، کوئی تصویر نہیں اور تصویر کا کیا
ہوگا۔ اب تو سکون کو دل چاہتا ہے۔
خدوخال اقبال بڑی معرکہ آرا کتاب ہوگی۔ پاکستان یا تقسیم ہند کا تو دور

کا واسطہ بھی نہیں۔ یہ صرف بزمِ اقبال وغیرہ کا پروپیگنڈا ہے۔
معاف فرمایئے میرے متعلق آپ نے حسن ظن سے زیادہ کام لیا ہے ورنہ
من آنم کہ من دانم

زیادہ شوقِ ملاقات

خاکسار

محمد امین زبیری ۱۹۵۶ء

(۲)

کراچی

جناب محترم تسلیم

والا نامہ کا شکریہ۔ میری نسبت آپ کا حسن ظن بہت زیادہ ہے۔
جو نایاب ہیں وہ نایاب ہی ہیں البتہ کسی کسی کے پاس نظر آجاتی ہیں، دو
کتابیں شبلی کے متعلق لاہور سے مندرجہ پتہ پر مل سکتی ہے ضیائے حیات کی قیمت
چھ روپے ہے، تذکرہ وقار اور حیات سلطانی، سیاست ملیہ بھی ایک صاحب کے
پاس ہیں مگر یہ تینوں کتابیں تیرہ روپے میں مل سکتی ہیں غرض یہ چاروں کتابیں
عنہ ۲۰ روپے اور دو روپے تخمیناً محصول ڈاک ارسال کریں تو بھجوا دوں۔
علامہ اقبال پر میری تنقید شاعرانہ نہیں بلکہ علامہ اقبال کی سیرت پر
جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان پر انہی کے خطوط سے تنقید ہے مثلاً ان کا
مشہور شعر ہے کہ

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مگر وہ ایک ہندو امیر کو خط میں لکھتے ہیں کہ "میری تقدیر آپ کے ہاتھ میں ہے۔" اس سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، قصرِ امراء کے گرا دینے کی تبلیغ کرتے ہیں لیکن امراء کی مدح و ستائش ان کا خاص شغلہ ہے۔ غرض اپنے خطوط سے اقبال وہ نہیں جو اشعار میں ہے۔ سیاست میں وہ معمولی آدمی ہیں، مگر پروپاگنڈا نے ان کو ہیرو بنا کر تصورِ پاکستان ان سے ہی منسوب کر دیا۔ حالانکہ یہ تصورات ۱۹۱۸ء سے تھے اور ۱۹۲۰ء میں ایک اسکیم بھی شائع ہو چکی تھی پھر لیگ میں بھی یہ بیان آیا غرض اقبال سے بہت پہلے کا یہ تصور ہی نہیں بلکہ بحث ہے، مختصراً حلقہ پرستارانِ اقبال میں ایک ہیجان پیدا ہو جائے گا۔ مگر جواب کسی کے پاس نہ ہوگا، اگر آپ تیار ہوں تو میں مسودہ دیدونگا اس کتاب کے متعلق بالمشافہ گفتگو کی ضرورت ہے۔

میں بیمار ۸۶ سال کی عمر میرے لئے سفر ممکن نہیں۔ آپ خود تکلیف فرمائیں۔

اس کا تاریخی نام "خدوخالِ اقبال" ہے عطیہ بیگم میکلوڈ روڈ ایوانِ رفعت پتہ ہے اپنی خاص عنایت فرمائیں۔

آپ آئے تو کئی باتیں طے ہو جائیں گی۔ آپ کی ہمت کی داد دیتا ہوں اس وقت ڈاکٹر کے ہاں جانا ہے اور ایک وقت میں زیادہ لکھنے سے قاصر ہوں یہ عریضہ بر سبیلِ استعجال لکھ دیا ہے۔ لفافہ و ٹکٹ کی زحمت نہ فرمایئے۔

خادم محمد امین زبیری

۱۲/۱۲ الف اسکول۔ کراچی۔ مہر ڈاک خانہ (۱۴ر دسمبر ۱۹۵۶ء)

(۲)

۲۵ر دسمبر ۱۹۵۶ء

مکرم محترم تسلیم نیاز

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۴ دسمبر موصول ہوا۔

کتاب کا نام میں نے خدوخالِ اقبال تجویز کیا ہے۔ مسودہ دیکھے بغیر آپ قیمت کا اندازہ صحیح نہیں کر سکتے۔ میں نے کبھی یہ سودا نہیں کیا تھا البتہ کراچی کی مجبوریوں نے آمادہ کر دیا۔ میں نے آغا خاں کی لائف معاوضہ پر لکھی پندرہ سو ۱۵۰۰ روپے علاوہ دیگر مصارف کے۔ میری کتاب عورت اور عسکریت کا معاوضہ انفارمیشن ڈپارٹمنٹ نے باردوم شائع کرنے کا اور صرف ایک اشاعت کیلئے تین سو ۳۰۰ روپیہ دیا۔ یہ کتاب عورتوں کی عسکری تاریخ ہے۔ باراول حیدرآباد دکن میں شائع ہوئی تھی۔ اب بار ثالث میرے ہی ایک عزیز شائع کر رہے ہیں۔ عورتوں کی تعلیمی تاریخ حال میں شائع ہوئی ہے۔ کانفرنس ناشر ہے پانچسو روپے معاوضہ۔

اصل یہ ہے کہ آپ دیکھ کر ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔ زیادہ انسب ہوگا کہ آپ ہی لکھیں کہ کیا ادا کر سکتے ہیں۔ کتاب مطبوعہ کے ۲۰۰ صفحات ہو جائیں گے۔ میں نے تمام کتاب میں حوالوں سے ہی کام لیا ہے۔ بہر حال آپ آیئے اور دیکھ کر رائے قائم کیجئے۔

نمبر ۱، ۲، ۳ نایاب عہ صر منگوائی جا سکتی ہے۔

نمبر ۶ "

نمبر ۷ قیمت عہ

۸ قیمت ۷ر مجلد

۹ ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ نایاب

۱۶ ۱۰ر

۱۷ - ۱۸ نایاب ۱۹ مکتبہ جدید لاہور

۲۰ عمر فاروق پبلشر لاہور

تذکرہ سرسید زیر طبع

اپنے والد صاحب کی خدمت میں بھی میرا سلام نیاز کہیئے۔

سیاست ملیہ کی علی گڈھ سے بمشکل تمام دس روپے فی نسخہ دو جلدیں ملی تھیں۔ وہ فوراً وہ صاحب لے گئے جنہوں نے پہلے ہی قیمت جمع کرادی تھی۔ حیات سلطانی صدر نی کاپی یہ دونوں منگوانی پڑیں گی ذکر شبلی تو لاہور میں مکتبہ جدید سے منگوا لیجئے ۸ر قیمت ہے۔ اور شبلی کی رنگین زندگی اشرف پبلشر سے ایک روپیہ قیمت ہے۔

اصل تو یہ ہے کہ اقبال کو جو فرشتہ بنانے کی کوشش ہے اس سب کا رد موجود ہے۔ اور انھیں کے حوالوں اور بیانوں سے۔ مجھے اس تنقیدی کتاب پر یک گونا ناز ہے ——— ڈاکٹر مولوی عبدالحق بھی مسودہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

مخلص

محمد امین زبیری

۱۲/۱۳ اک اک اسکول کلفٹن ۔ کراچی

---

(۴)

۳ر جنوری ۱۹۵۶ء

مکرم محترم تسلیم

والا نامہ مورخہ دسمبر کا شکریہ

خدوخال اقبال کا حق تالیف زیادہ قابل گفتگو نہیں آپ نے جو تجویز کیا وہ مجھے منظور ہے، یہ کتاب بڑے معرکہ کی ہے آج کل اقبال کو انبیائے کرام کی صف میں ان کے سیرت نگاروں نے شامل کر دیا ہے غلط واقعات اور تدلیس کے علاوہ واقعات کو بتایا گیا ہے جہاں تک شاعری کا تعلق ہے جس قدر تعریف کی جائے بجا ہے مگر انہوں نے جو اخلاقی اقدار پیدا کئے وہ بہت سے ایسے ہیں کہ ناممکن العمل مثلاً بہت مشہور شعر ہے

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مگر ان کے خطوط سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی تقدیر ایک ہندو امیر کے ہاتھوں میں دے دی۔ عزائم بہت بلند عمل ہیچ، بارگاہ الٰہی میں ادب کی حالت سے

بدست جنوں من جبریل زبوں صیدے   یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ [۱]

اسی طرح بہت سے اشعار ہیں، مدح امراء بھی ایک خاص موضوع ہے ان کے بہت سے اشعار خارج کر کے تعریف ہے۔

میری کتاب دراصل ان کی سوانح عمریوں کی تنقید ہے۔ واقعات اور انہی

---

[۱] حیرت ہے کہ زبیری جیسا سخن شناس اس نادر شعر کی لطافت سے محروم رہا یہ تو انسان کیلئے خودداری کا درس ہے۔

کے خطوط سے، اور اس طرح اقبال کے اصلی خد و خال جن پر پاؤڈر ملا گیا ہے نمایاں ہو جاتے ہیں۔

ان کی سیاست بھی ایک بڑا موضوع ہے۔ تصورِ پاکستان ان کی طرف بڑے زور کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ ان کا نمبر چھٹا ہے۔ پانچ اصحاب پہلے ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۹ء یہ خیال ظاہر کر چکے ہیں۔ ایک نے تو اسکیم بھی شائع کی ہے۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے تو پورا تصور بھی نہیں ظاہر کیا۔ غرض یہ کتاب اس نوعیت کی ہے لیکن میں نے خود کوئی تعریف نہیں کی بلکہ ہر ایک پوائنٹ کا ثبوت پیش کر دیا ہے۔ اور ناقابل تردید۔

جب تک آپ مسودہ نہ دیکھیں اندازہ نہیں کر سکتے۔ مجملاً چند عنوان پیش ہیں۔

تمہید۔ شاعری کی تعریف۔ سیرت نگاروں پر تنقید۔ نقوشِ سیرت۔ ابتدائی حالات۔ متاہل زندگی۔ اقتباسِ خطوط بنام عطیہ بیگم۔ غیر ملکی لباس سے نفرت۔ شانِ فقر و غیور۔ ایک نیشنل فنڈ، بلند ارادے۔ عملی زندگی۔ خطاب۔ جنگِ عظیم کے متعلق نظمیں۔ علی گڑھ تحریک۔ مدحت طرازی۔ خاص تعلقات۔ اقبال اور وزیرِ اعظم سر کشن پرشاد۔ نظام سے ملاقات۔ شاہانِ افغانستان سے خاص تعلق۔ سر راس مسعود سے درخواستیں اور وظیفہ بھوپال۔ سیاسیات۔ عام سیاسی مصروفیات۔ تصورِ پاکستان کا تاریخی منظر۔ چودھری رحمت علی کے ایک رفیق کا بیان۔ چند تعجبات۔ انتقال۔

یہ فہرست بہت مجمل ہے تاہم نصف اندازہ ہوتا ہے۔

میری مؤلفہ کتب میں ضیائے حیات چھ روپے، ذکرِ شبلی دو روپے۔ شبلی کی رنگین زندگی ایک روپیہ آٹھ آنے، تاریخ علی گڑھ ۸ روپے یہاں کتب فروشوں کے یہاں ہیں۔ ایک نئی کتاب مسلم خواتین کی تعلیم یہ تاریخی ہے حال میں شائع ہوئی ہے قیمت عہ/، یہ پانچوں یہاں دستیاب ہوتی ہیں اور عام قیمت ہے جو بازاری ہے۔ البتہ سیاستِ ملیہ نایاب ہے لیکن ایک صاحب کے پاس علی گڑھ میں چند نسخے ہیں وہ زیادہ قیمت پر دیتے ہیں، حال میں دو صاحبوں نے دس دس روپے میں منگوائی۔ اسی طرح حیاتِ سلطانی صہ میں۔ اگر آپ منگوالیں تو مبلغ عشہ روپے بھیج دیں یہاں کی تو فوراً اور بھارت والی پندرہ بیس دن کے وقفے سے ملیں گی۔ اپنے محترم والد صاحب کی خدمت میں سلام نیاز عرض کیجیے۔ انکے والا نامہ کا منتظر ہوں۔ بہ قسم خدائے لایزال میرے پاس کوئی تصویر میری نہیں۔ پیر حسام الدین راشدی صاحب کے پاس ہے انہوں نے خود اتار لی ذرا موسم صاف ہو تو ان سے کاپی لے کر پیش کر سکوں گا۔

مخلص محمد امین زبیری
۱۲/۱۲ اک اک اسکول

مکرر پرنس آغا خان بھی مل جائے گی تین روپے قیمت ہے۔

(۵)

۸ جنوری ۱۹۵۵ء

مکرم تسلیم، آپ کا خط مورخہ ۵ جنوری ۵۵ء آج موصول ہوا۔

میرا شغل تصنیف و تالیف پیشہ ورانہ نہیں، میں ۱۹۰۷ء تا ۱۹۳۱ء فردوس آشیاں بیگم صاحبہ بھوپال کا لٹریری اسسٹنٹ اور ایک بڑے دفتر کا انچارج تھا جسکا تعلق مصنفین وغیرہ سے بھی رہتا تھا، دفتر میں ہمیشہ تین چار ادیب و مصنف میرے ماتحت تھے۔ خدا کا شکر اور بھوپال کا احسان ہے کہ مجھے میرے گذارے کے قابل پینشن ملتی ہے البتہ مہاجرت نے گذارا گراں تر بنا دیا ہے مہاجرت سے پہلے میری جس قدر کتابیں شائع ہوئیں وہ میرے شوق کا نتیجہ تھیں اور صرف یہ خیال رہتا تھا کہ گرہ سے خرچ نہ ہو اور نفع اتنا ملے کہ اپنے دوستوں کو اور لائبریریوں کو ہدیہ دے سکوں۔

پینشن کے بعد البتہ یہ خیال چھوڑنا پڑا کیونکہ اب بچوں کی تعلیم کا بار تھا، چنانچہ علی گڈھ کی تاریخ پر کام معاوضہ سے کیا دو ہزار ملے ہوا ڈاکٹر ضیاء الدین کی موت اور اس انقلاب نے وہ کتاب مکمل نہ ہونے دی مگر اب یہاں ایک پریس نے میری بقیہ رقم دے کر کتاب لے لی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہز ہائی نس نواب صاحب بھوپال کی لائف لکھنے کو طلب کر لیا گیا اور پانچ ہزار معاوضہ پر مامور ہوا۔ سال بھر میں تیار کر دی آپ سرکاری مراسلت سے اندازہ کر سکیں گے۔ حالانکہ مجھے پھر طلب کر کے یہ کام قانوناً لیا جا سکتا تھا۔ اس دوران میں پینشن بھی ملتی رہی، مہاجرت کے بعد تکالیف مالی نے مجبور کر دیا آغا خان کی لائف کا پندرہ سو روپے معاوضہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن نے علاوہ دیگر اخراجات صفائی مسودہ وغیرہ کے دیا —— عورت عسکریت کے سیکنڈ ایڈیشن کا معاوضہ تین سو روپے انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ نے دیا، اس تمہید کے بعد یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کے خط کے ایک

فقرہ پر کہ "کم از کم دنیا کو تصویر کا دوسرا رخ نظر تو آ جائے گا" بیساختہ خیال کیا کہ

سپردم بتو مایۂ خویش را　　　تو دانی حساب کم و بیش را

خدا کرے ہمارے نوجوان ایسے ہی خیال کے ہو جائیں تو یہ مطبع کاریاں نہ ہو سکیں، اب معاملہ معاملے کی طرح کیجئے۔ مسودہ غیر صاف شدہ ہے صفحات کہیں باریک لکھے ہیں، کہیں موٹے کہیں کٹے پٹے ہیں کہیں حاشیوں پر اس سے صفحات کا اندازہ نہ ہوگا۔ بلکہ مطبوعہ سے ہو سکے گا۔ اگر صاف کرایا جائے تو بھی صحیح نمبر معلوم نہ ہوں گے لہٰذا صفحہ مطبوعہ کی مناسبت رکھی جائے۔ دیکھئے دوبارہ طباعت کی نوبت جب ہی آئے گی کہ طبع اول ختم ہو اور ظاہر ہے کہ یہ علامتِ قبولیت ہوگی دائمی حق کے ساتھ اشاعت مابعد پر فی صدی مقرر کیجئے اور مجھے نہ دیجئے کسی یتیم خانہ کو دیجئے خواہ وہ بہاولپور کا ہو ورنہ کراچی کا یتیم خانہ بہت اچھا کام کر رہا ہے۔ ۲۵ کاپیاں مجھے بھی دینی ہونگی۔ میں مسودہ آپ کے سپرد کر دوں گا اور رقم آپ مجھے ادا کیجئے۔ جو صفحات زیادہ کٹے پٹے ہوں گے وہ یہاں تین چار دن میں صاف ہو جائیں گے۔ آپکا خود آنا ضروری ہے۔ اور چیزیں بھی تیار ہو رہی ہیں۔

میرے ایک بھتیجے نے جو قائداعظم کے ساتھ بہت رہے ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ہیں ۱۹۴۲ء میں انگریزی میں مسلم انڈیا لکھی تھی جو بہت مقبول ہوئی۔ اس زمانہ میں میں نے سیاستِ ملیہ لکھی مواد پر بہت صرف ہوا مگر دونوں تاریخیں بہت مقبول ہوئیں۔ اب میرے ایک ایم۔ اے عزیز نے سیاست ملیہ کو ۱۹۴۰ء تک ملخص کیا ہے اور ۱۹۴۸ء تک واقعات اضافہ کئے ہیں میں نظرِ ثانی کر رہا ہوں۔

میرے فرزند محمد امین زبیری نے پاکستان اسٹیپ بائی اسٹیپ انگریزی

۰۰ فل اسکیپ صفحہ کی تاریخ لکھی ہے عہد سرسید سے قائداعظم کے گورنر جنرل ہونے تک کے سیاسی اہم حالات ہیں ایک پریس نے ان سے مسودہ لیا مگر چونکہ وہ انگلینڈ چلے گئے ہیں معلوم نہیں کیا طے ہوا پریس والے ان کے دوست اور علی گڈھ کے کلاس فیلو ہیں۔

عورت اور عسکریت میں اضافے کئے ہیں اور ایک عزیز ڈاکٹر یٰسین زبیری اس کی اشاعت کا اہتمام کر رہے ہیں۔ یہ صرف میرا شغل اور شوق ہے، جو میری مدد ان سب کے ساتھ ہے۔

اب کوئی معاملہ نہیں رہا یہ یاد رکھئے کہ وعدۂ فردا پر کُل معاملہ نہ ہوگا آپ نے لکھا ہے جتنے صفحے بنتے ہیں تو یہ تو طباعت کے بعد اور سائز کے تعین و کتابت کے طرز پر منحصر ہے۔ ایک سائز پر جو مضمون نصف صفحہ پر ہوگا وہ بھی دوسرے سائز میں پون صفحہ اور پورا صفحہ ہوگا۔ عموماً مستعمل سائز ۱۸×۲۲/۸ طباعت و کاغذ میں کفایت رہتی ہے۔ اس سائز میں جتنے صفحے ہوں۔

آپ کو کتاب منتقل کرنے کا حق نہ ہوگا یعنی آپ کسی سے معاملہ کریں کہ وہ آپ کو ایک رقم دے اور آپ اس کو حق اشاعت دے دیں، کتاب یقیناً بہت قابل غور اور دلچسپ ہوگی۔ میں نے مولانا سید سلیمان مرحوم کی کتاب "حیات شبلی" پر ۱۵ سو صفحہ کا تبصرہ کیا تھا اور حق تالیف بحق انجمن ترقی اردو کیا، انجمن کی اجازت ایک صاحب نے اس شخص سے منتقل کرالی اور صرف دو سو کاپیاں شائع کر کے باقی نیازمندانِ سلیمانی کے نذر کر کے تلف کرا دیں اس کا خلاصہ ذکر شبلی لاہور کے مکتبہ جدید نے شائع کیا ہے میں نے اس اتلاف کا ذکر اس خلاصہ میں کر دیا ہے

بہر حال ان تمام امور پر غور کر کے رائے قائم فرمایئے جو کتابیں یہاں ملتی ہیں، اور دوسری جگہ سے منگائی ہیں ان کی قیمت جلد بھیجئے ورنہ ان کا ملنا بھی مشکل ہوگا آپ کیلئے محفوظ کرا دی ہیں مگر زیادہ انتظار تو ممکن نہیں

مخلص محمد امین زبیری

۱۲/۳ اک اک اسکول کلفٹن۔ کراچی

(۶)

حضرت سلامت

عنایت نامہائے پیہم کے بعد یہ خاموشی کیا معنی دس جنوری کے بعد آپ نے پھر کوئی خط نہیں لکھا خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

بہاولپور میں میجر شمس الدین صاحب سے آپ واقف تو ضرور ہوں گے ان کی کتاب "اسلامی نظریۂ تعلیم" جو قرآن مجید کے احکام وغیرہ پر ہے آپ نے دیکھی ہوگی۔

واقفیت کے علاوہ آپ کے تعلقات کیسے ہیں یہ میں ایک خاص ضرورت سے دریافت کر رہا ہوں اور شاید پھر تکلیف دوں۔

خادم

محمد امین زبیری

۱۲/۳ اک اک اسکول۔ کراچی

(آمد ۱۸ جنوری ۱۹۵۶ء)

(۷)

مکرم تسلیم

۱۷ جنوری کے خط سے اطمینان ہوا کہ بفضلہ خیریت ہے۔ میرے کارڈ کا جلد جواب دیجئے۔

میں نے آپ کے لئے کچھ کتابیں محفوظ کرادی ہیں بک سیلر کا تقاضہ ہے علی گڈھ کو بھی لکھدیا ہے وہاں سے بھی عنقریب آجائیں گی۔

یہ روپے تو بھیج دیجئے کوئی بڑی رقم نہیں آپ نے جلد بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔

میجر شمس صاحب کے حالات و تعلقات لکھیے جلد۔

امین

۱۲/۳ اِک اک اسکول

(آمد ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء)

(۸)

جناب من تسلیم

مورخہ ۲۸ جنوری کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ میری کوئی تصویر میرے پاس نہیں۔ پیر حسام الدین راشدی عامل کالونی جمشید روڈ کراچی نے ایک دفعہ فوٹو لے لیا تھا۔ میں اس سخت موسم میں دو دفعہ وہاں گیا لیکن ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ ان کو لکھیے مجھ میں بار بار جانے اور موٹر کشہ

کے کرایوں کی سکت نہیں۔

نایاب کتابوں کی رقم جو ڈھائی کے کم و بیش ہے آپ کو فکر میں ڈالے ہوئے ہے۔ اور آپ کے بھروسہ پر میں دوسروں کے سامنے شرمندہ ہوا تو ـــ خدو خالِ اقبال والا معاملہ تو سینکڑوں کا ہے۔ اس کے متعلق کیا خیال کروں، مجھے مواقع ہیں کہ اچھے شرائط پر معاملہ کروں مگر آپ کے اصرار پر ملتوی کیا ہے۔ اور اب ڈر ہے کہ یہ التواء باعث نقصان نہ ہو۔

میجر صاحب سے خاص کام نہیں، مجھے گھر سے بس اسٹاپ تک جانا بھی اور بس میں تھوڑی دور کا سفر بھی تکلیف دہ ہے تا بہاولپور چہ رسد۔

خدا مبارک وقت لائے۔ دعا میری تا مقام ہو گی[1]۔

محمد امین زبیری

جنوری ۱۹۵۶ء

(۹)

مکرم

خدا کرے آپ زندہ بصحت و عافیت ہوں۔ آپ کے خطوط کی تلاش ہے تاکہ مصنف و مؤلف اپنی تصویر بھی تیار رکھے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ بلند بانگ خطوط محض ..... تھے۔ بہرحال آپ سے اخلاقاً پوچھنا ضرور تھا۔

امین

۱۲/۳ اک اک اسکول کراچی

[1] میری شادی

(۱۰)

جناب من تسلیم

اتنے اشتیاق آمیز خطوط کے بعد یہ خاموشی میری سمجھ سے باہر ہے۔

یا تو آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے تھے اور اپنے پندار میں بنا رہے تھے،

یا کوئی اس پردے میں آپ کے ذریعے مسودہ حاصل کرنے کی تاک میں تھا۔

بہر حال اب میں آپ کے نام ایک کھلا خط اخبارات میں شائع کر دوں گا۔

تاکہ دوسروں کو عبرت اور سبق ہو، آپ کے خطوط محفوظ ہیں۔

قانونی طور پر بھی آپ کی ذمہ داری کم نہیں، مگر پہلے آپکے والد صاحب کو ایک دوست کے ذریعے مطلع کر دوں گا

محمد امین زبیری

۱۲/۳ ۔ اک اک اسکول کراچی

مہر ڈاک خانہ ۷، اپریل ۱۹۵۷ء

حامد حسن قادری

(۱)

۱ ۔ ڈی ۲ ۔ ۲ ناظم آباد، کراچی ۱۸

۲۸ جنوری ۶۳ء

مکرمی ۔ السلام علیکم

کرم نامہ اور قدر شناسی کا بہت بہت شکریہ، آپ کی صاف گوئی سے نہایت ہی مسرت ہوئی کہ آپ نے "حقیقت حال لکھدی نہ جھوٹ بولا نہ بلند بانگ دعوے کئے"۔

لیکن آپ کو میری حالت کا اندازہ نہیں، میں بوڑھا، ضعیف، بیمار، ہوں اس لئے تعمیلِ ارشاد سے مجبور معذور ہوں امید ہے آپ معاف رکھیں گے۔

آپ کے لئے اور آپ کے رسالے کے لئے دعا کرتا ہوں۔ انشاءاللہ کامیاب ہوں گے۔

والسلام

احقر

حامد حسن قادری

---

(۲)

یکم فروری ۱۹۶۳ء

شورش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

احقر

حامد حسن قادری

دو سال ہوئے ایک ماہ نامہ جاری کرنے کا سودا سما رہا ہو ڈیکلریشن کی درخواست دی گئی جس کی رسید ہنوز نہیں ملی، مضمون کا تقاضہ حامد صاحب سے بھی کیا گیا تھا۔

مجید لاہوری

مجید مرحوم کو میں نے پہلی بار ۱۹۴۹ء کے اواخر میں کراچی سٹی ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک عمارت کی دوسری منزل پر دیکھا غالباً یہ نمکدان کا دفتر تھا۔ نغاری خاندان کے سردار اکمل خان کے عقد سعید کی تقریب میں شرکت کے لئے جب والد صاحب کراچی جانے لگے تو انہوں نے مجھے بھی ساتھ لے لیا، ضرورت تھی کہ مبارک وقت پر کسی اچھے شاعر سے سہرا لکھوایا جائے اس کے لئے مجید کو کراچی وارد ہونے سے پہلے ہی لکھا جا چکا تھا، جب ہم ملاقی ہوئے تو سہرا تیار تھا۔ جس کی وہ خود بھی تعریفیں کرتے رہے والد محترم (سید مبارک شاہ جیلانی) کے کہنے پر انہوں نے ایک آدھ شعر قلم زد کیا اور چند ایک میں ترمیم بھی کر ڈالی پھر بھی یہ سہرا والد صاحب کے معیار پہ پورا نہ اترا، دوسرے سہرے کیلئے جناب سیماب اکبر آبادی مرحوم سے فرمائش کی گئی جسے نثری اشعار کے ساتھ چھپوا کر مدعوین میں تقسیم کیا گیا، سیماب سے والد صاحب نے "جوہر آئینہ" کے معنی بھی پوچھے، جس پر انہوں نے ایک لغت اٹھالی اور کچھ بتاتے رہے، یہ دونوں سہرے

چونکہ غیر مطبوعہ ہیں اس لئے یہاں پیش کئے جاتے ہیں، ان کا معاوضہ بطور نذر دس دس روپے پیش کیا گیا تھا، پہلے مجید کا لکھا ہوا سہرا ملاحظہ ہو۔

گلبانگ شادی

نگاہِ آرزو نے ڈھونڈلی ہے اک حسیں وادی
لٹا دے اے جوانی تو بھی تنہائی کی آزادی

گلستانِ محبت کی بہاریں اس میں پنہاں ہیں
پھر کیونکہ نہ شادی کو کہیں ہم خانہ آبادی

جسے الجھا رہی تھی گردشِ تقدیر برسوں سے
وہ گتھی ناخنِ حکمت سے اک آگہی نے سلجھا دی

یہی وہ سنّتِ خیر البشر بالیقیں ہم دم
کہ جس نے ابنِ آدم کی سیہ تقدیر چمکادی

یہی وہ ربط ہے جو ہستیِ عالم کا محور ہے
یہی وہ راز ہے جس سے ہوئی دنیا کی آبادی

رفاقت کا ہر اک لمحہ اساسِ طاعتِ حق ہے
یہ وہ نکتہ ہے جو سمجھا گیا اسلام کا ہادی

یہ اعجازِ محبت ہے کہ فردوسِ بریں بن جائے
جو آئے زندگی کی راہ میں کانٹوں بھری وادی

بہ فضلِ حق گلستانِ تمنا میں بہار آئے
نویدِ عیش ہو سردار اکمل خان کی شادی

اب سیماب کو پڑھیئے

قطعہ تہنیت

مبارک ہو کہ جشنِ عقد کا روزِ سعید آیا
کھلا دنیا پہ اوجِ قسمتِ سردار اکمل خان

نہیں معلوم کس کو اہل جاہ و اہل حشمت میں
جو بہاولپور میں ہے عظمتِ سردار اکمل خان

بجا ہے ہو اگر اظہارِ کامل شادمانی کا
کہ ہے یہ روز، روزِ عشرتِ سردار اکمل خان

یہ شادی خانہ آبادی کا اعلانِ مقدس ہے
کہ آیا دورِ عیش و راحتِ سردار اکمل خاں

الٰہی حال و استقبال ہو نوشاہ کا روشن
بڑھے دنیا میں شان و عزتِ سردار اکمل خاں

بہاریں تا ابد آتی رہیں باغِ تمنا میں
رہے رشکِ گلستاں خلوتِ سردار اکمل خاں

مبارک میں نے سالِ عقد جب سیماب سے پوچھا
کہا "لیل و نہار بہجت سردار اکمل خاں

چار سال بعد جب مجید سے میری ملاقات ہوئی تو بس ہوش آتا ہی تھا کہ "آٹوگراف البم" پر کچھ نہ کچھ ان سے لکھوایا جائے۔ نمکدان کا یہ دفتر بندر روڈ پر ڈینسو ہال کے قریب تھا۔ جب میں اس دفتر میں پہنچا تو وہاں رشید اختر ندوی بھی تشریف رکھتے تھے، چونکہ میرا قیام (بسلسلۂ تعلیم) جناب سید رئیس احمد جعفری مدظلہٗ کے یہاں تھا اور رشید اختر کا وہاں آنا جانا رہتا تھا اس لئے یہ میرے بھی شناسا تھے، بڑے تپاک سے ملے، مجید یہ سمجھے یہ رشید سے ملنے آیا ہے، میں خاموش بیٹھا رہا مختلف قسم کے لوگ آجا رہے تھے انہی میں کراچی کے مشہور تاجر (غالباً) سیٹھ احمد میمن بھی تھے مجید نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا، اور مزاج پرسی کرتے رہے، چند منٹ بیٹھ کر جب وہ چلے گئے تو رشید نے مجید کو ٹوکا، اس قسم کے لوگوں کو منہ نہیں لگانا چاہیئے، مجید کہنے لگے "ان سے کام بہت سے نکلتے رہتے ہیں دو چار سطریں از قسم قصیدہ لکھ کر پھنسائے رکھتا ہوں"۔ اتنے میں مجید مجھ سے مخاطب ہوئے اور پھر معنی خیز نظروں سے رشید اختر کی طرف دیکھا وہ تقریباً بوکھلا سے گئے کہنے لگے "نہیں بھائی یہ اپنے جعفری صاحب کے عزیزوں میں سے ہیں"۔ اس معنی خیز نظر بازی کا ماحصل یہ تھا کہ میری نوعمری کے پیش نظر مجید مجھے رشید کا "منظورِ نظر" سمجھ بیٹھے

تھے، میں بظاہر اس کارروائی سے بے خبر رہا دل ہی دل میں ملک کے دو مشہور لکھنے والوں کے قریبی مطالعہ سے محظوظ ہوتا رہا، رشید صاحب اپنی "صفائی" دینے کے بعد مطمئن نظر آتے تھے، مجید نے میرے آنے کا مدعا پوچھا تو میں نے اپنی "البم" پیش کر دی، جسے دیکھ کر بُری طرح چونکے اور کہنے لگے "اس پر تو ایک کے بجائے دو قرآن چھپ سکتے ہیں، چونکہ تھوڑی ہی دیر پہلے "فاران" کے مولانا ماہر القادری سے مل کر آ رہا تھا اور ابتدا بھی انہی سے ہوئی تھی جسے مجید نے بھی پڑھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — و نصلی علی رسولہ الکریم

خیال و فکر کی شیشہ گری میں کچھ بھی نہیں — یقیں نہ ہو تو فقط آگہی میں کچھ بھی نہیں

ماہر القادری

کراچی ۲۸ اپریل ۱۹۵۳ء

پڑھ کر فرمایا یہ اس نے کیا جھک ماری ہے ابھی اس کا جواب لکھتا ہوں، لیکن اسی دوران میں ان کے ایک کارکن نے توجہ کسی کاروباری مسئلہ کی طرف منعطف کرا دی اور وہ صرف یہ لکھ کر رہ گئے۔

جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

مجید لاہوری

28/4/52

نیا سال شروع ہوئے تین مہینے گزر چکے تھے مگر وہ ۵۳ کے بجائے ۵۲ لکھ گئے۔

گو میرا کام تمام ہو چکا تھا لیکن میں بیٹھا رہا، شاید رشید اختر کی موجودگی سے ماحول کی اجنبیت مجھے متاثر نہ کر سکی ہو، ایسے میں مجید کی طبیعت جو لہرائی تو

جن کا آرڈر دیا گیا، یہ نظر بظاہر ایک لطیف مشروب نظر آتا ہے بباطن اتنا ہی کثیف، میری خاطر چائے یہ کہہ کر کی گئی کہ بھئی مہاراجی تو ٹھنڈا پینے کو جا رہا ہے، لیکن وہ اس سے بے خبر ہے کہ تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں، شغل جاری ہوا تو یہ حضرات پنجابی پر اُتر آئے، اسی دوران میں مجید اس سے بھی مطمئن ہو گئے کہ یہ پنجابی نہیں جانتا، میں اس سے مکر گیا کہ گل افشانی گفتار سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا، جب ذرا کیفیت طاری ہوئی تو مجید نے ٹیلیفون کا چونگا اٹھایا اور بیگم ...... (مشہور "سوشل ورکر") کو پوچھنے لگے، وہاں سے جواب نفی میں آیا غرض جب تین چار دفعہ پوچھا گیا تو رشید بولے آخر اس کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو" فرمایا "بھئی ہیں تو کچھ کرنا نہیں پڑتا وہ خود ہی سب "فرائض" انجام دیتی ہیں" وہ مسکراہٹ جو اس وقت مجید کے لبوں پر کھیل رہی تھی ان کی پراگندہ ذہنیت کی غماز تھی، لطیفہ یہ بھی رہا کہ رشید اختر سے بار بار پوچھتے تھے "کبھی تم نے مولی کی شراب پی ہے؟" اور وہ مسلسل انکار کئے جاتے تھے۔

تیسری بار مجید کو میکلوڈ روڈ پر گرینڈ ہوٹل کے سامنے ایک چارپائی پر پڑے ہوئے دیکھا تھا، غالباً رشید اختر کی راہ دیکھ رہے تھے جو اسی ہوٹل کی دوسری منزل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور یہ اپنے موٹاپے کی وجہ سے وہاں تک نہیں جا سکے تھے۔

میری ان سے آخری ملاقات لاہور میں ہوئی، یہ ۱۹۵۶ء کی بات ہے۔

میں جناب سید رئیس احمد جعفری مدظلہ کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک دن دوپہر کو رشید و مجید کی جوڑی جناب جعفری مدظلہ کی تلاش میں ٹیگور پارک آ پہنچی، وہ تو دفتر (ادارہ ثقافتِ اسلامیہ) گئے ہوئے تھے، میں نے ان حضرات کا استقبال کیا اور

"کمرہ استقبالیہ" میں لے گیا، کھانے کا وقت گھر میں کچھ پک رہا تھا، اس کی خوشبو جب مجید کی ناک تک پہنچی تو بڑی بے تکلفی اور باآواز بلند (تاکہ گھر میں موجود سب لوگ سُن لیں) فرمایا "بھئی یہ کیا پک رہا ہے ہم بھی کھائیں گے" کھانا تو نہیں ہلکا سا ناشتہ کر کے چلے گئے۔

زبان کے معاملہ میں ۶۵ء میں ایک بار ان سے میری خط و کتابت بھی رہی، مرحوم بلا ناغہ روزنامہ "جنگ" کے لئے مزاحیہ کالم لکھا کرتے تھے۔ اس میدان میں شوکت تھانوی مرحوم ان سے کہیں آگے تھے لیکن نوبت جب روز آنہ تک پہنچی اور پیٹ پالنے کیلئے اسی قبیل کی کتابوں کی بھرمار ہوئی تو ان کا دماغ بھی بول اٹھا مجید اور شوکت تو خیر کس گنتی میں ہیں سید انشاء جیسے عالی دماغ کا جو حشر ہوا اس سے کون بے خبر ہے، لیکن انشاء نے زبان پر آنچ نہیں آنے دی، مجھے عبدالمجید سالک مرحوم کی اس رائے سے اتفاق نہیں کہ زبان ہمیشہ صحیح لکھتے تھے اور "حرف و حکایت" کا انداز اس قدر سادہ سلیس اور دلکش تھا کہ خاص و عام چٹخارے لے لے کر پڑھتے تھے" (مجید لاہوری از شفیع عقیل) مجید کی زبان عامیانہ اور لہجہ بسا اوقات سوقیانہ ہو جایا کرتا تھا، سادگی اور دلکشی تو عبدالحق کا حصہ ہے، جب لکھا گیا کہ زبان کے حال پر رحم فرمایئے تو جواب آیا

(۱)

کراچی

حضرت سید انیس شاہ کی خدمت میں سلام کے بعد

یہ نہیں کہ بقول آپ کے آپکی "حق گوئی" مجھ پر گراں گزری اور میں نے خط کا جواب نہیں دیا، بات اصل میں یہ ہے کہ میں اڑھائی مہینہ سے بیمار ہوں ابھی چند دن ہوئے ہسپتال سے چھٹکارا ملا ہے۔ صحت بہتر تو ہے مگر مکمل طور سے بحال نہیں ہوئی۔ خط کے جواب میں گزارش ہے کہ میں تعریف اور تنقیص کی حدوں سے آگے نکل چکا ہوں۔ اگر آپ گالی دیں تو برا نہیں مانوں گا۔ اور اگر آپ مجھے بانس پر چڑھائیں تو خوش نہیں ہوں گا ایک بات یاد رکھئے کہ ہر شخص کی اپنی پسند ہے۔ آپ کو مجھ سے اختلاف ہے، مگر اس ملک میں سیکڑوں ایسے ملیں گے جو آپ سے متفق نہیں ہوں گے اور اسی طرح ان لوگوں سے بھی اور لوگ اختلاف کریں گے۔ ویسے میں بلند پایا علمی اور تحقیقی چیزیں نہیں لکھتا کہ "بھاری" زبان استعمال کروں یا نوک پلک درست کرنے بیٹھ جاؤں۔ اور زبان کی نزاکتوں پر مقصد کو قربان کر دوں مجھے مقاصد زیادہ عزیز ہیں۔ ان کے اظہار کے لئے وہی زبان میں لکھتا ہوں جو ہر کوئی سمجھ لے جس کو آپ بگڑی ہوئی زبان کہتے ہیں وہ اصل میں ایک نئی زبان ہے جو ہمارے یہاں جنم لے رہی ہے پرانے "مراکز" ختم ہو گئے۔ اب اردو جہاں آئی ہے وہاں کا اثر ضرور قبول کرے گی اور اس میں "لوکل کلر" شامل ہوگا اگر اردو کو زندہ رکھنا ہے تو کسی کو نہ ٹوکئے جو بولتا ہے بولنے دیجئے سب اردو ہے۔ اگر ہم نے سختی برتی تو اسکا حشر وہی ہوگا جو پہلے ہوا یعنی ہم نے ہمیشہ ہندوؤں کو غلط نویسی کا طعنہ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہندی میں لکھنے لگے۔ مغربی پاکستان میں اردو ابھی بہت پیچھے ہے اسکو گھر گھر تک پہنچا دیجئے، اس کے بعد یہ خود اپنا سانچہ تلاش کرے گی۔ اور اسمیں ڈھل جائے گی۔ غیر مطبوعہ چیز کہاں سے آسکتی ہے میرے پاس؟ جو لکھتا ہوں وہ

چھپ جاتا ہے، میری تصویر کو کیا کیجئے گا۔ میں "بڑا آدمی" نہیں ہوں۔ آپ کے نانا کا نام لیوا ایک حقیر امتی ہوں آپ "سید بادشاہ" ہیں۔ دعا فرمائیے اللہ عاقبت بخیر کرے۔

مجید لاہوری — یکم دسمبر ۱۹۵۶ء

جیسا کہ ان کے خط سے ظاہر ہے اردو کے معاملہ میں ان کی حیثیت نیم حکیم کی سی تھی اس کے جواب میں میں نے ذرا سختی سے ٹوکا تو یہ لکھ کر پیچھا چھڑوالیا

(۲)

خط کی رسید

وہی ہے اپنی رندی اور وہی واعظ کی نہائش
بُری عادت کوئی بھی ہو بآسانی نہیں جاتی

مجید

(آمد رسید ۱۱ دسمبر ۵۶ء)

شعر داد طلب ہے۔

مجید نے زندگی بہت تھوڑی پائی صرف ۴۴ برس یہ بھی کوئی مرنے کی عمر ہے شفیع عقیل لکھتے ہیں مرنے سے پہلے ان کے دو کام رہ گئے تھے "شراب پینا اور رونا" اور یہ رونا پیٹنا آسمان کیلئے تھا۔ جو انکی محبوبہ اور دوسری بیوی تھی اور "یہ عورت مجید کے ایک قریبی دوست کی عطا کردہ سوغات تھی جو وہ خود کراچی چھوڑ کر یورپ جاتے ہوئے مجید کو سونپ گیا تھا۔"

(مجید لاہوری از شفیع عقیل صـ ۲۳۱)

نوح ناروی

تصویر بھی دیکھی تو ان کے انتقال کے بعد ان کے پاس "حجاب" محبوبۂ داغ کی مطبوعہ تصویر تھی، میں ایک سو پچیس ۱۲۵ دینے پر آمادہ ہوا بھی لیکن روپیہ انکے پاس جاتا کیسے؟ ان کے اُٹھ جانے کے بعد وہاں سے کسی خط کی رسید دینا خلافِ مصلحت تصور کیا جاتا ہے۔

ان خطوں سے ہمارے شعراء کا ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے ـــ یعنی دیوان کے دیوان مقطع میں کسی نتھو خیرے کا نام صرف چند ٹکوں کے عوض لکھ کر فروخت کر دیتے ہیں۔

(۱)

میرے مہربان غائبانہ قدردان سوچتا ہوں القاب کیا لکھوں اگر آپ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں تو آداب برابر ہیں تو سلام شوق کم ہیں تو دعا۔ آپ کا خط مجھے ملا میرے حالات زندگی متعدد اخبار اور رسالوں میں مع تصویر کے نکل چکے ہیں خاندانی حالات لکھنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی آپ کی تسکین خاطر کیلئے ادبی حالات لکھے دیتا ہوں۔

اس وقت میری عمر ۸۵ سال کی ہے پندرہ برس کی عمر سے میں نے شعر کہنا شروع کیا اور غالباً ۱۸۹۸ء میں حضرت داغ دہلوی کا شاگرد ہو گیا اور تیس برس تک ان کی خدمت میں بمقام حیدرآباد دکن رہا وہاں میرے اور احسن صاحب مارہروی اور سید حامد حسین صاحب بیدل شاہجہاں پوری کے تعلق یہ خدمت تھی کہ جو باہر سے اصلاح طلب کلام داغ صاحب کے نام آتا تھا اسے ہم لوگ سناتے تھے اور جو ترمیم یا تنسیخ ہوتی اسے لکھ دیتے تھے، میرے تین دیوان چھپ چکے اول سفینۂ نوح، دوم طوفان نوح تیسرا اعجاز نوح چوتھا اور پانچواں دیوان یعنی ملفوظات نوح اور یادگار نوح ابھی طبع نہیں ہوئے علاوہ ان کے ایک کتاب اور شاخ نبات ہے جسمیں مختلف اقسام کی نظمیں ہیں دیوان اول اور دیوان دوم کی کوئی مطبوعہ جلد باقی نہیں تیسرے دیوان کی جلدیں باقی ہیں پانچ سال تک میں بصارت سے محروم رہا چار سال آنکھ کا آپریشن ہوا، اور لکھ پڑھ لیتا ہوں آپ کے شوق کی قدر کرتے ہوئے اگر کوئی تصویر زائد موجود ہوتی تو میں ضرور آپ کو بھیجتا افسوس ہے کہ اس وقت موجود نہیں بہت سے رسالوں میں میری تصویر چھپ چکی ہیں بہت ممکن ہے کہیں سے آپ کو دست یاب ہو جائے، اب میں کسی کو شاگرد نہیں کرتا ۴۶۸ میرے شاگردوں کی تعداد ہے اکثر مر گئے بہت سے زندہ ہیں جو زندہ ہیں اللہ تعالے انھیں زندہ رکھے یہ خط اپنے دست خاص سے لکھ کر میں آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔ فقط

۱۴ فروری ۱۹۶۳ء

نوح ناروی از نارہ

ضلع الہ آباد

۲

یاد فرمائے نوح زاد لطفہٗ سلام نیاز آپ کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں طولانی خط کا پڑھنا اور اس کا جواب لکھنا میرے لئے ممکن نہیں یہی غنیمت ہے کہ ۸۵ سال کی عمر میں لکھ پڑھ لیتا ہوں، حضرت داغ کی تحریر مینی بائی کی تصویر کیا آپ کو آسانی سے مل جائے گی میرے پاس دونوں چیزیں ہیں کیا قیمت آپ دیں گے اور پاکستان میں کیونکر یہ چیزیں پہنچ سکتی ہیں؟ میں اب اس قابل نہیں رہ گیا کہ کلام پر اصلاح دوں مجھ سے انہیں شاگردوں کی اصلاح اب نہیں ہوتی جو میرے قدیم تلامذہ ہیں، مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ مراسلت سے مجھے معاف رکھیں گے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۶۲ء

نوح ناروی از نارہ ضلع الہ آباد

اگر آپ کو میری تحریر جمع کرنے کا قصد ہو تو یہ خط خاص میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

۳

جناب بندہ سلام نیاز، آپ کا خط ملا جواب اپنے ہاتھ سے لکھ رہا ہوں حجاب کی تصویر اور حضرت داغ کی تحریر اول تو میں جدا نہیں کرنا چاہتا، بالفرض آپ کی توجہ اور قدردانی کے سبب سے جدا بھی کروں تو حجاب کی تصویر کی قیمت ۳۰۰ ہوگی، حضرت داغ کی تحریر میں کسی قیمت پر جدا نہیں کر سکتا وہ زندگی تک ہے۔ حجاب کی تصویر مطبوعہ ہے عکسی نہیں اگر آپ خرید کرنا چاہتے ہیں تو میرے

پاس روپیہ پہونچنے کی کیا صورت ہوگی پاکستان سے نہ منی آرڈر نہ رجسٹری ذریعہ آتا ہے علاوہ حجاب کی تصویر کے ایک قلمی دیوان بھی میرے پاس ہے اگر اس کے دام طے ہو جائیں تو مقطع میں آپ کا تخلص رکھ دیا جائے

۲ر مئی ۱۹۶۲ء

نوح ناروی از قصبہ ڈاکخانہ نارہ

ضلع الہ آباد

(۴)

بندہ پرور۔ سلام نیاز آپ کا عنایت نامہ پھر آیا یہ تصویر کاغذی ڈاک یعنی پوسٹ کارڈ کے برابر لمبی ہے اور پوسٹ کارڈ سے کم چوڑی ہے مجھے خیال ہوتا ہے کہ اس وقت کا کوئی آدمی زندہ نہیں اگر آپ کو شک ہو تو کون رفع کرے گا۔ علاوہ اس کے آپ آخری فیصلہ کر کے تحریر فرمائیں کہ آپ مجھے کیا قیمت دیں گے۔ اور مجھے روپیہ ملنے اور آپ کے پاس پہنچنے کی کیا صورت ہوگی، یہ پہلا معاملہ ہے طے ہو جائے تو پھر آپ کو لکھوں کہ کیا کیا نادر اشیاء میرے پاس ہیں، اس خط کا جواب جلد عنایت ہو کیونکہ محرم میں باہر میں چلا جاؤں گا۔ فقط

۳۱ر مئی ۱۹۶۲ء

نوح ناروی از نارہ ضلع الہ آباد

اپنا پتہ ہر خط میں لکھتے رہیئے۔

---

(۵)

بندہ پرور۔ آداب

آپ کا خط ملا میں نے حجاب داغ کی تصویر کے متعلق خط و کتابت نہیں بند کی آخری قیمت میں نے ایک سو پچیس روپیہ لکھ دی تھی پہلے کوئی صورت ایسی تو نکالیئے کہ قیمت مجھ کو مل سکے۔ زیادہ نیاز

۲۱ر جولائی ۱۹۶۲ء

نوح ناروی از نارہ ضلع الہ آباد

(۶)

محترم بندہ۔ سلام نیاز۔ آپ کا خط پھر آیا میں پیشتر بھی لکھ چکا ہوں اور اب پھر بھی لکھتا ہوں کہ حجاب کی تصویر میں ایک سو پچیس روپے میں دوں گا اس سے کم کسی طرح نہیں دے سکتا، مگر بار بار آپ خط لکھ لکھ کر میرا وقت اور اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے روپیہ کی وصولی کی صورت کیا ہوگی پہلے اس کو طے کر لیجیے تو آئندہ خط و کتابت کیجیے ورنہ آئندہ میں آپ کے خط کا جواب نہ دے سکوں گا۔ فقط

نوح ناروی از نارہ ضلع الہ آباد

۸ر ستمبر ۱۹۶۲ء

ذخیرہ کتب :۔ محمد احمد ترازی کراچی

(۵)

بندہ پرور۔ آداب

آپ کا خط ملا میں نے جناب داغ کی تصویر کے متعلق خط و کتابت نہیں بند کی آخری قیمت میں نے ایک سو پچیس روپیہ لکھ دی تھی پہلے کوئی صورت ایسی تو نکالیے کہ قیمت مجھ کو مل سکے۔ زیادہ نیاز

۲۱ جولائی ۱۹۶۲ء

نوح ناروی از نارہ ضلع الٰہ آباد

(۶)

محترم بندہ ۔ سلام نیاز۔ آپ کا خط پھر آیا میں پیشتر بھی لکھ چکا ہوں اور اب پھر بھی لکھتا ہوں کہ جناب کی تصویر میں ایک سو پچیس روپے میں دوں گا اس سے کم کسی طرح نہیں دے سکتا۔ مگر بار بار آپ خط لکھ لکھ کر میرا وقت اور اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے روپیہ کی وصولی کی صورت کیا ہوگی پہلے اس کو طے کر لیجئے تو آئندہ خط و کتابت کیجئے ورنہ آئندہ میں آپ کے خط کا جواب نہ دے سکوں گا۔ فقط

نوح ناروی از نارہ ضلع الٰہ آباد

۸ ستمبر ۱۹۶۲ء